قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا ۔

المجاہد من جاہد نفسہ (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد وقت مجتہد فی التصوف بحر علوم شریعت قلزم فیوض و برکات

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

مقام اشاعت

دار العرفان ۔ منارہ ۔ ضلع چکوال

اداریہ

ہر فرد کی زبان پر ہے کہ مسلمان قوم بگڑ چکی ہے۔ قومیں کیوں بگڑتی ہیں؟ اور کیسے سنورتی ہیں؟

افراد کا اجتماعی نام قوم ہے۔ جب کسی قوم میں بگڑے ہوئے افراد کا تناسب بڑھ جاتا ہے تو قوم بگاڑ کی بیماری کا شکار ہو جاتی ہے۔ بیماری سے چھٹکارے کے دو ہی راستے ہیں۔ کسی ماہر ڈاکٹر سے علاج کروا کر طبعی زندگی کو اللہ کریم کا عطیہ سمجھ کر گزارا جائے ورنہ دوسرا راستہ موت ہے۔ اس سے پیشتر بھی مسلمان قوم بگڑی اور وقت پر علاج نہیں کروایا اور موت، ذلت اور تباہی کا شکار ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں معالج پیدا کئے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں شفا بھی رکھی ان ہی کی دوا اور دعاؤں سے مسلمان قوم صحت یاب بھی ہوتی رہی شرط ہمیشہ وہی ہے کہ قوم کے افراد کو مرض کا احساس ہو، معالج کی ضرورت، اہمیت اور اس پر اعتماد ہو اور اپنے علاج کے لیے عملی قدم بھی اٹھائے۔

پوری قوم کی بیماری اور تباہی افراد کے وجُود میں ایک معمولی سے مقام کی خرابی سے شروع ہوتی ہے۔ جسم میں یہ مقام دل یا قلب کہلاتا ہے۔ جب گوشت کے اس معمولی سے لوتھڑے میں خرابی آتی ہے۔ تو اس کا اثر سارے جسم پر ہوتا ہے اور یوں جسم کے ہر عضو میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ علاج ٹانگ کا کرایئے یا آنکھ کا جب تک دل صحت یاب نہیں ہو گا صحت نصیب نہیں ہو گی۔ لیکن ہم انفرادی طور پر بھی اور بحیثیت قوم بھی جسم کے مختلف اعضا کو درست کرنے میں دولت، وقت اور زندگی صرف کر دیتے ہیں لیکن اصل مرکز کی طرف ذرہ بھر توجہ نہیں دیتے۔ ذہن کو صحت مند بنانے میں عمر کا ایک بڑا اور خوشگوار حصہ مدرسوں، سکولوں اور کالجوں میں گزار کر عالم اور سکالر کہلاتے ہیں۔ مریض جسم کی آسائش کے لیے دولت کمانے اور اکٹھا کرنے میں باقی زندگی لٹا کر امیر و دولت مند کہلاتے ہیں۔ ان مصروفیات میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ اصل مرض کی تشخیص کے لیے ایسی چند گھڑیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں کہ کسی ماہر معالج کے پاس بیٹھ کر اس سے مشورہ لیا جائے۔ دوا لی جائے، کھائی جائے اور امراض سے چھٹکارا پا کر صحت مند اور پاکیزہ زندگی گزاری جائے۔ اچھی صحت کے ساتھ عالم، سکالر اور دولت مند ہونا اپنے لیے اور پوری قوم کے لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے۔

دل کا علاج تو اللہ نے خود ہی بتا دیا ہے جو ایک معمولی اور آسان سی ورزش "ذکر اللہ" ہے البتہ صحیح اور اخلاص سے کرنے کے لیے ماہر کا مشورہ اور آزمائش شرط ہے۔ اس معمولی سی ورزش نے افراد کو اور قوموں کو زندہ کر کے عروج بخشا ہے۔

یوں تو زندگی ہر انسان کو گزارنا ہے موت بھی ہر انسان کا مقدر ہے لیکن زندگی ہو تو کیف زا ایسی ہو کہ اس میں شباب ہی شباب ہو۔ موت ہو تو "ایڈز" کی مرض کی سی نہیں۔ ایک شہید کی جیسے ہو تب تو جینے میں بھی مزہ ہے اور مرنے میں بھی مزہ ہے۔

تاج رحیم

امیر کا حج غریب کا حج

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

حج کیا ہے؟ جس کے لیے ہم سب بڑا زور لگاتے ہیں بڑی خواہش رکھتے ہیں بڑے دوڑتے ہیں مسلمان ۔ اور پچیس تیس پینتیس لاکھ مسلمان وہاں ہر سال جمع ہو جاتے ہیں۔ پوری دنیا سے ہر قوم سے ہر رنگ کے ہر زبان کے ۔

اسلام کے جو بنیادی پانچ ارکان ہیں ان میں سے ایک رکن حج ہے۔ رکن کہتے ہیں ستون کو اسلام کے بنیادی ستون یا ارکان پانچ ہیں پہلا کلمہ طیبہ اللہ کی الوہیت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار اور غیر اللہ کی الوہیت کا انکار ۔ اس کے بعد پانچ وقت کی فرض نماز کی پابندی یہ دوسرا رکن ہے تیسرا رکن ہے ہر سال رمضان المبارک کے روزے ۔ چوتھا رکن حج ہے اور پانچواں زکوٰۃ ہے یہ چوتھے اور پانچویں نمبر پر اس لیے ہیں کہ یہ دونوں ہر ایک پر فرض نہیں ہیں ان کے لیے ایک خاص مالی معیار ہے ۔ حج اس آدمی پر فرض ہوتا ہے پہلے تو وہ مالی اعتبار سے اس قابل ہو کر آنے جانے کا رہائش کا خرچ اس کے پاس ہو جتنا عرصہ گھر سے باہر رہنا ہے جن کا اس پر مدار ہے جن کا وہ کفیل ہے ان کو وہ خرچ دے کر جائے کسی پر بوجھ نہ بنے ۔ اس کی صحت اس کو آنے جانے کی اجازت دیتی ہو ساری باتیں ہوں تو پھر اس پر حج فرض ہوتا ہے ورنہ اس پر فرض ہوتا نہیں۔ کوئی ایک بات بھی ان میں سے نہ پائی جائے تو حج اس پر فرض نہیں ہوتا۔ اسی طرح زکوٰۃ ۔ اگر کسی کے پاس چالیس روپے ایسے ہوں جن کو سال گزر جائے اور ان میں سے کوئی پیسہ خرچ نہ کرے اس کی ضرورت نہ پڑے اس کی ضرورت سے زائد ہوں تو ان چالیس میں سے ایک روپیہ اللہ کی راہ میں مساکین کو غرباء کو یا جو زکوٰۃ کا مصرف ہے ان کو دینا فرض ہے لیکن اگر وہ سال کے دوران خرچ کر دیے پھر چالیس ہو گئے تو ان پر جب تک سال نہیں گزرے گا فرض نہیں ہوگا اور یہ ضروری نہیں کہ رجب کا مہینہ ہی زکوٰۃ کا مہینہ ہو کسی مہینے میں آپ کے پاس پیسے جمع ہو گئے پھر جب وہ مہینہ آئے پھر جب سال پورا ہو جائے گا اس وقت ان پر زکوٰۃ لاگو ہو جائے گی۔ خواہ وہ مہینہ رجب کا ہو یا شعبان کا ہو یا رمضان کا ہو۔ یعنی اس دولت پر دوران سال کا گزرنا ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں سارا سال زکوٰۃ چلتی ہے صرف ایک مہینہ مختص

نہیں ہے جیسا کہ ہم نے رواج بنا لیا کیونکہ کسی ایک مہینے میں تو سب لوگوں کے پاس پیسے نہیں آتے سارا سال پیسے آتے رہتے ہیں اور اگر وہ خرچ نہیں ہوتے کسی کا بنک بیلنس جو ہے وہ ایک سال تک محفوظ رہتا ہے اسی طرح ایک خاص مقدار زیور کی ہے ایک خاص مقدار گائے بھینس کی بھی ہے ایک خاص مقدار بھیڑ اور بکریوں کی ہے اونٹوں کی ہے اسی ایک خاص مقدار اس مال کی ہے جو ہم کاروبار کے لیے رکھتے ہیں ان سب چیزوں کی فقہ میں تعداد اور ایک اندازہ موجود ہے اس کے مطابق اس پر جب بھی ہم شروع کرتے ہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے جن جن کے پاس بقایا ہو زکوٰۃ کا مہینہ قرار دینا یہ درست نہیں ہے اس وقت ذرائع رسل و رسائل نہیں تھے۔ دور دراز جو قبائل ہوتے تھے وہ اپنی زکوٰۃ علیحدہ کر لیتے تھے یا عاملین کے پاس رکھ دیتے تھے ایک خاص وقت میں سرکاری عمال مرکز سے جاتے تھے اور وہ جمع کر لیتے تھے اتا سب کو پتہ ہوتا تھا کہ فلاں دن وہ آئیں گے یا فلاں مہینے میں آئیں گے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ اسی مہینے میں فرض ہوتی ہے زکوٰۃ تو سارا سال چلتی رہتی ہے اب حکومت تو سارا سال آدمی بھیجنے سے رہی تو سرکاری آدمی جب رجب میں جاتے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زکوٰۃ صرف رجب میں فرض ہوتی ہے جیسے ہم نے سمجھ لیا ہے۔

یہی حال حج کا ہے کہ اگر حیثیت ہو تو مسلمان بیت اللہ شریف میں جائے اس کے ارکان ہیں لیکن ان سب ارکان کا ایک ماحاصل بھی ہے ایک نتیجہ بھی ہے اور اسے اگر آپ مختصر ترین الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو وہ یہ ہوگا کہ اللہ کریم کے سامنے ہتھیار پھینک دینے کا نام حج ہے۔ آدمی جو کچھ بھی کر چکا جتنی عمر بیت چکی اچھا کیا ہے برا کیا ہے غلط کیا ہے ٹھیک کیا ہے جو بھی ہوا جو کچھ ہو چکا جو کچھ کرتا رہا وہ اپنی ساری حیثیت ختم کر کے وہ ان سلی چادریں پہن کر یعنی اپنے اختیار اور ارادے سے کفن لپیٹ کر غسل کر کے دو نفل ادا کر کے بیت اللہ شریف میں حاضر ہو کر اللہ کے روبرو یہ اقرار کرتا ہے کہ خدایا جو ہو چکا وہ ہو چکا تو گزشتہ معاف کر دے آئندہ کے لیے میں وعدہ کرتا ہوں تیری نافرمانی نہیں کروں گا خدا کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا نام ہے حج۔ اب ظاہر ہے کہ کوئی زندگی میں بار بار تو شکست تسلیم نہیں کریگا شکست یا فتح کا فیصلہ تو ایک ہی بار ہو جاتا ہے اسی لیے حج زندگی میں ایک بار فرض ہے اگر اس بار پر کوئی قائم نہیں رہتا تو دس بار بھی حج کر آئے کیا فرق پڑے گا انسان تو وہی ہے۔

کیا یہ صرف امراء کے لیے ہے؟ صاحب نصاب کے لیے ہے؟ نہیں۔ صاحب نصاب کے لیے حج عمر میں ایک بار۔ جن کے پاس وسائل نہیں ہیں دولت نہیں ہے ذرائع نہیں ہیں ان کے لیے ہر جمعہ حج کی فضیلت رکھتا ہے یہ اللہ کی دین بڑی عجیب ہے مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ہم لوگ اس بات پر یقین کیوں نہیں کرتے آخر آپ کو یہ کس نے بتایا کہ مکہ کر جاؤ اتنے پیسے صرف کرو اتنا سفر کرو پاگلوں کی طرح وہاں گھومو تو حج ہو گا کس نے بتایا؟ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

وہی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تو تم ہر جمعہ کو حج کیا کرو تو پھر نہ ماننے کی کیا وجہ ہے یعنی حضور فرماتے ہیں کہ جو شخص فجر کی نماز ادا کرتا ہے اس غرض سے اپنی جانماز کو یا مسجد کو نہیں چھوڑتا کہ اشراق پڑھ کے جاؤں گا تلاوت کرتا ہے ذکر اذکار کرتا ہے حتیٰ کہ سورج نکل آتا ہے وہ اشراق کے دو یا چار نفل پڑھ کے چلا جاتا ہے تو اسے صرف حج نہیں حج کے ساتھ عمرے کا ثواب بھی ملتا ہے یعنی بغیر سفر کیے بغیر کہیں آئے جائے بغیر کچھ خرچ کیے ایک حج اور ایک عمرہ روزانہ اس کے لیے ہے۔

جو شخص یہ اہتمام کرتا ہے کہ مجھے جمعہ کی نماز ادا کرنی ہے اس کے لیے بالارادہ تیاری کرتا ہے کام کاج سے فراغت حاصل کرتا ہے غسل کرتا ہے کپڑے بدلتا ہے مسجد میں جاتا ہے جمعے کی نماز ادا کر لیتا ہے حضور فرماتے ہیں غریب کا حج اس کی جامع مسجد ہی ہے تو اگر کسی مجبوری کی وجہ سے یا کسی مصروفیت کی وجہ سے روزانہ کے حج سے محروم بھی ہے تو ہر ہفتے میں ایک حج تو کر سکتا ہے۔ اور اگر اس پہ ہمیں اعتبار نہ ہو تو پھر ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ مکہ جا کر حج ہوتا ہے اس کی دلیل بھی تو یہی ہے کہ حضور نے ہمیں فرمایا۔ حضور نے تو یہ بھی فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسے نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کسی بھی کام کے کرنے

سے سوائے مشقت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ آپ کسی کام سے یہاں تشریف لائیں کچھ لوگ صرف مجھ سے ملنے آ گئے میں یہاں نہیں ہوں انہیں کسی نے جمعہ بھی پڑھا دیا انہوں نے نماز بھی پڑھ لی لیکن وہ کہیں لگے نہیں جمعہ تو ہم اپنے شہر میں بھی پڑھ لیتے ہیں تو ایک آدمی سے ملنا تھا وہ آدمی نہیں مل سکا واقعی وہ جمعہ تو وہاں بھی پڑھ لیتے وہ جمعہ پڑھنے تو نہیں آئے تھے انہیں تو ایک آدمی سے ملنا تھا صرف ملنا ہی تھا کوئی کام نہ تھا ملنا بھی تو ایک کام ہے تو وہ سفر ان کے لیے دوگنا تھکاوٹ کا باعث بن جائے گا کہ اتنا سفر کیا اور ملاقات بھی نہ ہوئی اور دس منٹ کی ملاقات ہو جائے تو وہ ساری تھکاوٹ دور ہو جائے گی چلو جس کام کے لیے آئے تھے وہ تو ہو گیا۔

آج حج کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے گذشتہ تمام اعمال کو لا کر وہاں رکھ دیں کہ خدایا میرا سرمایہ تو یہی ہے۔ لیکن میں تیرا عاجز بندہ ہوں اور میں تیرے سامنے اپنے اختیار سے دستبردار ہوتا ہوں میں اپنے لیے کچھ نہیں سوچوں گا میں اپنے لیے کچھ نہیں کروں گا میں اپنی مرضی سے کچھ کھاؤں گا نہیں میں اپنی مرضی سے کہیں جاؤں گا نہیں تو مجھے حکم دے گا تو میں کہیں جاؤں گا تو اجازت دے گا تو میں سوؤں گا تو فرمائے گا میں جاگ اٹھوں گا تو کہے گا میں سجدہ کروں گا تو کہے گا بس کر میں بس کر دوں گا جس چیز کے کھانے کی تو اجازت دے گا۔ وہ کھاؤں گا جس سے تو روک دے گا رک جاؤں گا۔ آج سے میری حکومت ختم اور تیری حکومت کو میں قبول کرتا ہوں۔ اب اگر یہ مقصد ہم نے نہیں پایا اور زندگی میں پچاس حج کر لیے تو کیا کیا جھوٹ بولا اللہ سے اور اپنے اوپر مزید بوجھ لادا کہ تم اتنا سفر کر کے' اتنا حلیہ بنا کے' اتنا سفر کر کے پھر بھی باز نہ آئے ہیرا پھیری سے جو وعدہ کرنے گئے تھے اس سے بھی مکر گئے اور پھر تمہارے کرتوت وہی ہیں تمہیں شرم بھی نہ آئی کہ میں نے اللہ کے روبرو کیا کہا تھا۔ کس بات کا اعتراف کیا تھا تو کیا حاصل کہ اگر ہم چاہیں تو یہ دروازہ تو اللہ کریم نے ہمارے لیے کھول رکھا ہے۔ لیکن میرے خیال میں جب رب کریم نے اس کو چوتھے نمبر پر رکھا ہے تو کیا ہم نے پہلے تین ستون قائم کر لیے ہیں جو اللہ کریم نے اس کی پر یہ یار فالسٹ بنائی ہے یا اللہ کریم نے جو ترتیب رکھی ہے تو پہلے تین مدارج یا تین سٹیپ یا تین زینے جو رکھے گئے ہیں اسلام کے کیا ہم ان تینوں پر جم کر کھڑے ہیں۔ یہ پہلی تین دیواریں ہیں کہ ہم چوتھی کو بنانے چلے ہیں اگر پہلے سے نہیں ہیں تو جب ہم چوتھی بنانا چاہتے ہیں تو کیا ہم اس کے ساتھ دوسری تین بھی تعمیر کر رہے ہیں چلو پہلے نہیں تھیں آج ہی بن جائیں صرف ایک دیوار پر ہم چھت ڈالنا چاہتے ہیں تو اسلام ایک عملی مذہب ہے بڑا سادہ بڑا سیدھا اور بڑا صاف یہ ہیرا پھیری کا مذہب نہیں ہے اسلام میں اور باطل مذاہب میں فرق یہ ہے کہ آپ ہندومت میں جائیں تو وہاں عام آدمی کی رسائی برہمن تک ہے اس سے آگے کچھ دیویاں ہیں کچھ دیوتا ہیں یا کچھ طاقتیں ہیں وہ جانے اور برہمن جانے عام آدمی کا ان سے تعلق نہیں ہے آپ بدھ مت کے پاس جائیں تو عام آدمی کی رسائی بدھا تک یا پروہت تک ہے آگے نہیں ہے آپ تبت کے لاماؤں کے پاس جائیں آدمی لامہ تک پہنچ سکتا ہے آگے وہ جانیں اور غیبی طاقتیں جانیں جن کو وہ پکارتا ہے یا جن کی وہ عبادت کرتا ہے۔ عیسائیت کو دیکھ لیں تو آپ پوپ تک یا پادری تک جا سکتے ہیں آگے یسوع مسیح جانے یا خدا جانے یا پادری جانے دوسرے آدمی کی وہاں رسائی نہیں ہے آپ یہودیت میں جائیں تو وہاں ان کے راہب اتنے بیٹھے ہیں وہاں تک تو آپ جا سکتے ہیں لیکن آگے رسائی راہبان کی ہے آپ کی رسائی نہیں ہے عام آدمی کی نہیں ہے۔

اسلام واحد مذہب ہے جو ہر آنے جانے والے کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیتا ہے کسی پیر کا مذہب نہیں ہے کسی مولوی کی ذاتی جاگیر نہیں ہے کسی بادشاہ کا مذہب نہیں ہے کسی بڑے زمیندار کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ سب مسلمانوں کا اپنا اسلام ہے ہر مسلمان کا براہ راست تعلق ہے اللہ رب العزت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ یہ ہم میں جتنی پارٹی بازی در آئی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ اپنا نام شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ کی مانو رسول اللہ کی مانو ساتھ میری بات بھی مانو۔ اللہ اور رسول کی بات اس طریقے سے مانو جس طریقے سے میں کہتا ہوں دوسرا کہتا ہے بات اللہ اور رسول

کی مانو لیکن جس طریقے سے میں کہتا ہوں اس طریقے سے مانو۔ بھلا کیوں کوئی مانے میرے طریقے سے آپ کے طریقے سے دوسرے کے طریقے سے اگر میں ایک رائے رکھتا ہوں تو دوسرے کو بھی رائے رکھنے کا حق حاصل ہے اس کا اپنا اللہ ہے اس کا اپنا رسول ہے اس کی اپنی وفاداری ہے اسے اپنی وفاداری ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے اسے اللہ کے روبرو کھڑا ہونے کا حق حاصل ہے جب اللہ نے اپنا دروازہ کھلا رکھا دوسرا کوئی اسے کیوں بند کرتا ہے۔

ہاں علماء کا احسان ہے ہم پر اس بات کا کہ وہ ہم تک اللہ کے احکام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات پہنچائیں اپنی بات نہیں وہ بات جو اللہ کی بات ہو وہ بات جو رسول اللہ کی بات ہو ہم تک پہنچائیں یہ ان کا احسان ہے لیکن اگر اس میں لپیٹ کر وہ اپنی کہنا چاہیں تو پھر ہم ان سے دین بھی نہیں سیکھیں گے اس دروازے پہ جائیں گے جہاں کھرا اور خالص دین ملے گا یہی حال پیروں کا، مشائخ کا ہے کہ وہ امین ہوتے ہیں برکات نبوی کے اگر واقعی ان کے پاس وہ دولت ہے تو پھر ہمیں بھی ان کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ گرمی کچھ حدت کچھ حرارت کچھ محبت کی چنگاریاں پھوٹتی نظر آنی چاہئیں اگر ان کے پاس بیٹھ کر بھی ہمیں نفرتیں ملیں تو پھر ہم محبتیں لینے کہاں جائیں کیونکہ اسلام تو محبتوں کا مذہب ہے اسلام تو ایسا مذہب ہے جو کافر سے بھی شفقت کا درس دیتا ہے یہ کسی کافر کے ساتھ ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو کسی ایسے شخص کے ساتھ زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو اللہ کا نافرمان ہو کافر ہو بدکار ہو ظالم ہو آپ اس کے ساتھ بھی انصاف سے آگے نہیں بڑھ سکتے حد سے نہیں بڑھ سکتے آپ چہ جائیکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی کریں اور اگر ہم اپنے آپ کو ان حدود میں پابند نہیں کرتے نہیں کر سکتے تو پھر یہ دور دراز کے سفر کرنے اور یہ مصیبتیں اٹھانے سے ہمیں میرے خیال میں تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ حج کا سفر نہ کرو میں کہتا ہوں ضرور کرو لیکن یہ چیزیں حاصل کر کے جاؤ اپنے آپ کو ان باتوں کے لیے ذہنی طور پر ارادی طور پر تیار کر کے لے جاؤ وہاں اور وہاں واقعی جا کر ہتھیار پھینک دو۔ اللہ کے سامنے یا پھر وہاں تک نہیں پہنچ

> ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ بازار جا رہے تھے کہ گرد و غبار کے کچھ ذرات آپ کے کپڑوں پر لگ گئے تو دریا پر جا کر آپ نے کپڑے کو اچھی طرح دھو کر پاک کیا اور جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک تو اتنی نجاست جائز ہے۔ پھر آپ نے کپڑا کیوں پاک کیا۔ فرمایا کہ وہ فتویٰ ہے اور یہ تقویٰ۔

سکتے تو وہ بھی ایک مسجد ہی ہے آپ کے گھر میں آپ کے محلے میں یہاں جہاں آپ بیٹھے ہیں یہ اللہ ہی کی مسجد ہے یہیں سے اللہ سے بات کرو کہ خدایا وہاں تک تو تو نے مجھے اسباب نہیں دیے ورنہ وہاں میں سرنگوں کرتا۔ تو نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے تو میں یہاں ہی تیری بارگاہ میں اعتراف شکست کرتا ہوں اور کم از کم اپنے آپ کو اللہ کے مقابلے میں تو کھڑا نہ کریں۔ یعنی کم از کم آدمی اپنے میں اتنی شکستگی تو پیدا کرلے کہ اپنے کو اللہ سے کمتر لے جلتے اور اپنے اوپر اللہ کی حکومت کو تو قبول کرلے اگر ہم یہ بھی نہ کر سکیں تو ہم کس منہ سے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں اور یہ ہمارا فرض ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمان جنہیں دیکھ کر کافر بھی ایمان قبول کر لیا کرتے تھے انہیں دیکھ کر آج مسلمان بھی اسلام سے بیزار ہوتا ہے

آج ہماری اپنی آنے والی نسلیں، ہماری اپنی نئی پود ہمارے اپنے بچے جب جوان ہوتے ہیں تو وہ ہمیں کہیں یہ کیا فراڈ بنا رکھا ہے ہمارے بزرگ جھوٹ بولتے ہیں یہ دھوکا کرتے ہیں یہ رشوت لیتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ نیک بن جاؤ ایسے کرو خود سارا دن کلب میں ہوتے ہیں ہمیں کہتے ہیں گلی محلے میں مت جاؤ خود سارا دن جوا کھیلتے ہیں ہمیں کہتے ہیں کبوتر نہ اڑایا کرو کیا عجیب بات ہے یہ کیسے لوگ ہیں۔ آپ دوسروں کو تو چھوڑ دیں کافر بدکار یا بے دین ہم سے کیا سبق حاصل کرے گا۔ خود ہماری اولاد جو ہماری گود میں پلتی ہے وہ ہمارے کردار سے بدظن ہو جاتی ہے کہ ہمارا مذہب اس میں کوئی حقیقت ہے بھی کہ نہیں

جب تک وہ بچے ہوتے ہیں بھولے بھالے ہوتے ہیں لیکن جب وہ ہوش سنبھال لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہمارے بڑے ہمیں کہتے ہیں مت کرو خود کرتے ہیں اگر واقعی نہ کرنے کی بات ہوتی تو خود بھی نہ کرتے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ جسم کو مکہ لے جاتے اگر آدمی اور دل اس کا ہندوستان میں ہو تو اس سے بہتر ہے کہ جسم ہندوستان میں رہے اور دل اس کا مکے میں بستا ہو جنہیں اللہ لے گیا خدا ان کا حج قبول کرے لیکن ہم جو نہیں جا سکے ہمیں اللہ نے اس سعادت سے محروم نہیں کیا بلکہ ہم یہاں بیٹھ کر اس سعادت میں شریک ہو جائیں جو ان لوگوں کو وہاں نصیب ہوگا یہ اس کا فضل عظیم ہے یہ اس کی رحمت عام ہے یہ اس کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ جن لوگوں کو وہاں پہنچنے کی استطاعت نہیں بخشی ان کے لیے وہی رحمت عام یہاں عام کر دی۔

ہمیں یہ چاہیے کہ ہم اپنے کردار پر نظر کریں دوسروں کو چھوڑ دیں جب مصیبت ٹوٹتی ہے کہیں آگ لگتی ہے تو آپ نے کبھی دیکھا ہے کسی کو کہ وہ کہے جب کوئی دوسرا بھاگے تو میں بھاگ جاؤں گا ورنہ میں جلنے والوں کے ساتھ کھڑا جلتا رہوں گا کوئی جلنے والوں کا ساتھ نہیں دیتا اگر خدانخواستہ سمندر میں کوئی جہاز غرق ہونے لگے اور لوگ پانی پہ رہ جائیں تو کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ کوئی اور بھی ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو میں ماروں گا ورنہ مجھے کیا ضرورت ہے سارے ڈوب رہے ہیں تو میں بھی آرام سے ڈوب جاؤں گا کوئی نہیں ایسا کرتا۔

معاشرے میں اگر سارا معاشرہ بھی برائی کی طرف چل پڑے تو ہمارے پاس یہ کوئی جواز نہیں ہے کہ دوسرے برائی کر رہے ہیں میں بھی کروں گا یہ کیا جواز ہے۔ خدانخواستہ اگر دوسرے سارے غرق ہونا شروع کر دیں تو ہم غرق ہو جائیں گے کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اپنے آپ کے ذمہ دار ہیں ہمیں اپنے آپ کو اللہ کے روبرو پیش کر کے اپنے اختیارات اس کے حوالے کرنا چاہئیں اور اپنے لیے اللہ سے نجات مانگنا چاہیے کم از کم اپنے آپ کو اپنے وجود کو اپنے جسم کو اپنی جان کو تو اللہ کے عذاب سے بچا کر لے جائے اگر کوئی اتنا بھی نہیں کرتا تو اس نے ظلم کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی جو شخص اپنے وجود کے ساتھ اپنے آپ کے ساتھ وفا نہیں کرتا اس پر کوئی دوسرا امید وفا رکھے تو وہ بھی بے وقوف ہے اس شخص پر امید وفا رکھتا ہے جو خود اپنا بھی وفادار نہیں ہے جو اپنے نقصان پہ خوش ہوتا ہے جو اپنا گھر پھونک کر تماشا دیکھتا ہے دوسرے کے نفع نقصان کی پروا کیا کریگا

تو آیئے ہم بھی عہد کریں کہ اللہ ہمیں یہ توفیق ارزاں فرمائے

اگرچہ ہم ہزاروں میل دور ہیں لیکن ہم اللہ سے دور تو نہیں ہیں ہمارے دل تو خانۂ خدا سے دور نہیں ہیں اگر وہ وہاں پہ رحمت لٹا سکتا ہے تو یہاں اسے کوئی منع کرنے والا تو نہیں ہے دیکھیں اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیدنا اسماعیل علیہ السلام جیسے بیٹے کی گردن پہ چھری رکھ کر ثواب اور اس کے اجر کا مژدہ سنایا لیکن اس پوری امت کو ایک گائے یا بکرا یا دنبہ ذبح کرنے پہ اس ثواب میں شامل کر لیا وہاں جانے والوں کو شریک کیا تو یہاں رہنے والوں کو بھی محروم نہیں کیا۔ ہمارے لیے اس میں سعادتوں کے دروازے بند نہیں کیے۔

یہ ہم ہیں جو اتنی بھی پروا نہیں کرتے اپنے نفع و نقصان کو بھی نہیں سوچتے محض دنیوی خواہشات اور اندھے پن میں ہم سبز پیلے نیلے رنگ دیکھ کر ان کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ یہ رنگ کسی اژدہے کے نہ ہوں یہ جسے ہم روشنی سمجھ رہے ہیں یہ کہیں آگ کا شعلہ نہ ہو جس کی ہم چمک دیکھ رہے ہیں کہیں یہ کوئی انگارہ نہ ہو جسے ہم ہیرا سمجھ رہے ہیں یہ انگارہ بھی تو ہو سکتا ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم جہاں بھی ہیں وہاں رب جلیل سے یہ عہد کریں کہ خدایا تو ہماری توبہ کو قبول فرما اور ہمیں بھی اپنے گھر پہ حاضری کی سعادت نصیب فرما۔ روضۂ اقدس کی زیارت کی سعادت نصیب فرما۔ منیٰ اور عرفات میں جانے کی سعادت نصیب فرما طواف اور سعی نصیب فرما اللہ قادر ہے سب کو عطا فرما سکتا ہے لیکن اس حال میں کہ تو ہم سے راضی ہو اور ہم تیرے اطاعت گذار بندے بن چکے ہوں۔ ہمارے دل کی دھڑکنیں ہوں اور تیرا نام ہو۔ ہمارے اعضاء و جوارح ہوں اور تیری اطاعت ہو ہماری پیشانیاں ہوں اور تیرا دروازہ ہو۔ ہمارے ہاتھ اٹھیں تو تیری بارگاہ میں سر جھکیں اسی پہ ہمیں زندہ رکھ اسی پہ موت نصیب فرما اور ایسے ہی لوگوں کے ساتھ یوم حشر میں کھڑا فرما

محبت

سیماب اویسی

بڑا عجیب لگا جب مجھ سے یہ سوال ہوا کہ محبت کیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ سوال کرنے والے کا دعویٰ یہ ہے کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ ٹھیک سے یاد نہیں میں نے چند مثالیں دیکر اسے سمجھانا چاہا تو کہنے لگا ان سب باتوں سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا مگر ایک بات ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے تو بھی دیکھو محبت کا کمال کہ جو محبت کو جاننے سے قاصر ہیں وہ بھی محبت کرتے ہیں۔ اور واقعی ایسا ہوتا ہے اس لیے کہ محبت ایک لطیف ترین جذبہ ہے محسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں یہ ایک کیفیت ہے جسے آپ حیات کہہ سکتے ہیں اور اس کے بغیر موت کی اتھاہ گہرائیاں۔ مگر افسوس اس بات پر آتا ہے کہ لوگوں نے بے شمار قسم کی اغراض کا نام محبت رکھ دیا ہے اور جس کو کسی سے غرض ہوتی ہے اس کے طفیل پیدا ہونے والے لگاؤ کو محبت کا نام دے دیتا ہے بعض لوگوں کے جذبات میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور ایک طرح کے کاموں پر ان کا ردعمل یکساں ہوتا ہے یہ یک رنگی بھی آپس میں لگاؤ کا باعث بنتی ہے اور لگاوٹ محبت کا نام پاتی ہے حالانکہ محبت نہیں ہوتی مگر کہلاتی محبت ہے تو پھر محبت کیا ہوتی ہے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں مثلاً

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

یا کسی دوسرے کی رائے میں سے

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں
تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا

یا اور بھی بے شمار شعر جمع کیے جاسکتے ہیں مگر سوال پھر اپنی جگہ رہتا ہے کہ آخر محبت کیا ہے اور اس کی تعبیر کیا؟

کتنی قیمتی چیز ہے کہ بچے مانگتے ہیں۔ بیوی طالب ہے والدین کو اس کی آرزو ہے، قوم تمنا کرتی ہے ملک خواہشمند ہے دوست اور احباب کی تو بات ہی چھوڑیں۔ مذہب تک اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مجھے تمام دنیا سے بڑھ کر محبوب نہیں رکھتا وہ مؤمن نہیں ہوسکتا اور خود رب العلمین فرماتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ۔ کہ ایمان والے اللہ سے بہت شدت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ بھئی آخر محبت شئے کیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں ہمیں سب طرح کی محبتوں کا جائزہ لینا چاہیئے شاید ہم جان سکیں کہ اصل والی کون سی ہے۔

سب سے پہلے والدین کی محبت ہی سے شروع کرتے ہیں تو میرے خیال میں اسے فطری اور جذباتی محبت قرار دیا جاسکتا ہے کہ بچہ ان کے وجود کا حصہ ہوتا ہے لہذا ان کو پیارا لگتا ہے پھر آئندہ کی ساری منصوبہ بندی کا انحصار بچے کی ذات پہ ہوتا ہے۔ جائیداد وراثت اور آئندہ کے سارے ارادے صرف اسی کے ذریعے پورے ہونے ممکن ہوتے ہیں لہذا یہاں محبت کے دو رنگ جمع ہو جاتے ہیں اول فطری جو اللہ کریم کی طرف سے بچے کی تربیت کے لیے انہیں عطا ہوتی ہے اور دوسری جذباتی کہ جو بچے سے انہیں ہو جاتی ہے لہذا والدین کی محبت دو آتشہ ہو کر بہت گاڑھی اور پختہ ہو جاتی ہے ہم اپنے اردگرد اس کے مظاہر دیکھتے رہتے ہیں اور ان ممالک میں جہاں بچے سے آئندہ امید رکھنا عبث محض ہے کہ بالغ ہو کر جو جی میں آئے گا کرے گا آپ کو اس کے سہارے کوئی منصوبہ ترتیب نہیں دے سکتے تو وہاں جب جذبات کو ٹھیس لگی تو فطرت بھی متاثر ہوئی اور وہ گرمی نہ رہی جو اس کا خاصہ تھی۔ لہذا وہاں والدین اور اولاد میں روایتی رشتے ٹوٹ رہے ہیں۔ پھر بہن بھائیوں کی محبت یہ بھی تھوڑی سی فطری کچھ حد تک جذباتی اور پھر غرض کی محبت مل کر ایک شکل اختیار کر لیتی ہے جیسے ہم روز مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ اکٹھے ایک ماں باپ سے پیدا ہونے فطری تعلق نصیب ہوا پھر اکثر جذبات میں یکسانیت ہوتی ہے

یہ دوسرا سبب بن گیا اور پھر بڑے ہو کر ایک دوسرے کے کام آتے ہیں یہ تیسرا اور مضبوط سبب بن گیا تو ان اغراض سے جو میل جول بڑھتا ہے وہ بھی محبت کہلاتا ہے اور جن معاشروں میں یہ اسباب ختم ہوتے جا رہے ہیں وہاں محبت کی یہ قسم بھی متاثر ہو رہی ہے مثلاً ایک دوسرے کے کام نہ آئیں یا جذبات میں اختلاف ہو تو پھر یہ صورت نہیں رہ جاتی۔ تیسری محبت میاں بیوی یا مرد و عورت کی ہے جو دنیا میں مضبوط ترین اور اعلےٰ ترین خیال کی جاتی ہے لیکن میرے خیال میں اس میں بھی دو عناصر کار فرما ہوتے ہیں سب سے پہلا عنصر غرض یا ضرورت ہے کہ شادی کے بعد دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن جاتے ہیں اور ایک کے بغیر دوسرے کی بقا کا کوئی تصور نہیں رہتا اس غرض کے لیے وہ جو ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں اسے محبت کا نام دیا جاتا ہے۔

مرد اور عورت کی محبت کا ایک سبب فطری جذبہ یا داعیہ بھی ہے یہ جدید سائنس کی تحقیق ہے کہ جس طرح ہر ذی روح کی بقائے نسل کی خاطر اس میں ملاپ کا جذبہ رکھا گیا ہے اور یوں دو مختلف صنفوں کا ملاپ نسل کی بقا کا باعث ہے وہاں ہر ذی روح اور جانور کے لیے اللہ کریم نے موسم وغیرہ بنا دیئے ہیں ایک خاص موسم میں جانوروں میں ایک خاص بو پیدا ہو جاتی ہے کسی جانور کی مادہ میں اور بعض اقسام کے نروں میں یہ بو جنس مخالف کو اس کی طرف متوجہ کرتی ہے اور یوں ان کا ملاپ ہوتا ہے آگے نسل چلتی ہے جب موسم ختم ہوتا ہے یا یہ بو ختم ہو جاتی ہے تو انہیں ایک دوسرے کے لیے کوئی تحریک ہی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن انسان کا نظام بالکل الگ ہے نہ ہر موسم کا محتاج ہے اور نہ اسے کسی خاص بُو سے غرض بلکہ اس کے وجود میں ایک خاص قسم کے غدود رکھ دیئے گئے ہیں جن میں سے انعکاس RADIATION (ریڈی ایشن) ہوتی رہتی ہے مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی اور ہر آدمی کی اپنی فریکوئینسی ہوتی ہے اگر کسی مرد اور عورت کی فریکوینسی مل جائے تو وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ انعکاس یا ریڈی ایشن آنکھوں سے ہوتا ہے اسی لیے اسلام نے پردے اور غض بصر کا حکم دیا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھیں ہی نہیں اور اگر دیکھیں تو حرمت کا تقدس ہو یا پھر نکاح کا جواز۔ یہ اکثر جو محبتوں کے افسانے ہیں یہ فریکوئینسی کے ملنے کا کمال ہے کہ جس قدر قریب ہوتی گئی اتنا انس اور ایک دوسرے کے لیے کشش محسوس ہوتی گئی اور جن وجودوں میں ایک ہی درجے کی مل گئی پھر وہ ایک دوسرے کو الگ نہ سمجھ سکے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ عمل نظر کا محتاج رہا بغیر دیکھے کچھ نہیں ہو سکا۔ لہٰذا یہ بھی محبت کی ایک زوردار قسم ٹھہری اور اسے کبھی عشق اور کبھی جنوں کا درجہ ملا مگر محبت کیا ہے شاید اس سے بھی بہت لطیف تر جذبہ ہے اگرچہ مندرجہ بالا سب ہی محبتیں ہیں مگر ضرورت اور حاجت کی محبتیں ہیں غرض کی محبتیں ہیں جب غرض پوری ہو گئی محبت بھی سرد پڑنے لگی یا خصوصیات اور اوصاف کی محبتیں ہیں مثلاً کسی کی صورت سے یا دولت سے یا کسی اور صفت سے محبت ہو گئی ظاہر ہے جب وہ صفت فنا ہو گی تو محبت بھی فنا ہو جائے گی۔ مال و دولت، عزیز و اقارب یا جنس مخالف کی محبتوں کا حال تو دیکھا۔ آئیے اب ایک اور محبت کو دیکھیں۔ انسان جسم اور روح سے مل کر بنا ہے۔ جسم مادی ہے اور اس کی ضرورتیں بھی مادی ہیں اس کی لذات بھی سطحی ہیں اس کی محبتیں بھی فانی اور رنج بھی وقتی ہیں مگر روح اللہ کریم کے امر سے ہے اس کا تعلق براہ راست عالم امر سے ہے یہ ایسا عالم ہے جو مظہر صفات باری ہے اور جہاں مخلوق کی حد تمام ہوتی ہے وہاں سے اس کی ابتدا ہوتی ہے لہٰذا یہ فنا کی دسترس سے بالا ہے روح وہاں کا باسی ہے تو اس کی طلب بھی اسی قدر بلند ہے یعنی جس کے جمال کا مظہر یہ عالم اس کے جمال اور وصال کی طلب روح کے اندر ہے بلکہ روح کی جان ہے اگر یہ طلب نہ ہو تو روح مر جاتی ہے ورنہ روح کے لیے فنا نہیں اس کی موت اس جذبے سے خالی ہونا ہے اس لیے اس جذبے میں جوش کا نام محبت ہے کہ اسی ذات کے وصال سے جو قرار آتا ہے اس کے جمال میں جو لذت ہے وہ بھی اتنی لطیف کہ بدن کی رسائی سے دور اور روح کی گہرائیوں میں رچ بس جاتی ہے پھر لوگ ایک ایک لمحے ایک ایک

قطرے کے لیے دار پہ جھول جاتے ہیں سینے چھلنی کروا لیتے ہیں اور پھر گھر بار لٹا دیتے ہیں بچوں کو قربان کرتے اور گردنیں کٹاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں "ھل من مزید" کہ ایک جرعہ اور سہی شاید یہی محبت ہے یہ کیسے نصیب ہو سکتی ہے اس کا ناپیداکنار سمندر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر ہے لہٰذا جس دل کو آپ کے دل روشن سے نسبت ہو جاتی ہے وہ اس پر دیوانہ وار فدا ہو جاتا ہے اسی کو ایمان کہتے ہیں اسی لیے ارشاد ہے کہ جب تک میں والدین اولاد اور سارے جہان سے محبوب نہ ہو جاؤں تب تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا یعنی کسی کے رنگ پہ فدا ہو تو ہوا کرے کسی کے اقتدار سے متاثر ہو تو بیشک کسی سے خونی آمیزش ہو والدین یا اولاد کی طرح تو حرج نہیں کسی سے جنسی رغبت خاوند یا بیوی کی صورت میں ہو تو جائز مگر دل، روح اور اس کی گہرائیوں میں وہ زنجیر کھنکتی ہو جو اصل امر سے واصل کر دے جس کے ظہور کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو تو سب سے محبت ہوگی مگر سب سے شدید محبت آقا سے ہوگی یہ ایمان ہے یہی ایمان ہے اور یہی سلسلہ اس ذات کے روبرو لے جاتا ہے جو اول بھی ہے آخر بھی ہے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی تو ایمان کی صفت بجا طور پر کی جاتی ہے کہ والذین اٰمنوا اشد حبًا للہ کہ ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں یعنی ذاتِ باری پہ فدا ہونے کو جی چاہے تو اس کا نام ایمان ہے اسی لیے جہاں سے یہ ملا یعنی بارگاہ رسالت بھی محبوب ہو گئی اور پھر شیخ کی ہستی ہے جو خواہش کی تاریکیوں میں محبت کا شعلہ فروزاں کرتی ہے اور دنیا کی لذتوں میں بھٹکے ہوئے دلوں کو نور نبوت سے سیراب کر کے ان میں محبت کا بیج بوتی ہے لہٰذا شیخ سے بھی محبت ہو جاتی ہے شاید اسی کو محبت کہتے ہیں کہ آدمی عالم آب و گل میں رہتے ہوئے اپنے کو بھول کر کسی اور کی فکر میں لگ جاتا ہے اور ہر طرح کی آسائش صرف اور صرف ایک ہستی کے لیے چاہنے لگتا ہے جو اس کا شیخ ہے اس لیے کہ اس نے اس کی روح کو انوارات سے سیراب کیا یوں اس کی ذات محبوب کے گھر کا راستہ بن گئی اور در محبوب کی محبت میں سے اس در کے راہ کو بھی حصہ نصیب ہو گیا اس راستے کی روشنی جمال پیمبر ہے لہٰذا راستے نے اس نور تک پہنچایا اور یوں محبت کو ایک نئی منزل نصیب ہوئی نور نبوت نے اسے بارگاہ صمدیت میں کھڑا کر دیا اور یوں وہ نہ صرف دنیا و مافیہا کو بلکہ خود کو بھی گم کر بیٹھا شاید یہ محبت ہی کا ایک رخ ہے۔ علمائے کرام نے اس باب میں بات مختصر کی ہے فرماتے ہیں محبت دو طرح سے ہے فطری اور عقلی فطری محبت ہے والدین اولاد زمین جائیداد اقتدار وغیرہ سے مگر عقل سے کام لے اور اپنی تخلیق اور احتیاج پہ غور کرے پھر اللہ کریم کے احسانات کو دیکھے اور یوں اس کی عقل یہ فیصلہ دے کہ اللہ کریم سے محبت کی جائے اور محبت کا تقاضا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے تو یہ عقلی محبت ہے

اور یہی مطلوب ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ پتہ نہیں یہ سب کیا ہوتا ہے جب دل کسی پہ آتا ہے تو سود و زیاں کو خاطر میں نہیں لاتا اور عقل مشورہ دینے کے قابل ہی نہیں رہتی یہ بھی مزے کی بات ہے کہ دنیا کی ایسی لذتیں جن سے حکومت کا ڈر بدنامی کا خوف والدین کی ناراضگی دولت کا نقصان یا اقتدار و وقار کی تباہی کبھی نہیں روک سکتی اس سے وہ لذت روک دیتی ہے جو اس کو دیکھنے میں ہے جو نظر نہیں آتا جو اس سے ملنے میں ہے جیسے آپ مل نہیں سکتے جو اس سے باتیں کرنے میں ہے جس سے بات کرنا محال جو نظر نہیں آتا جسے چھو نہیں سکتے جس کی مثال نہیں دی جا سکتی مگر وہ نظر آتا ہے دل میں بستا ہے باتیں کرتا ہے یہی تو مزہ ہے کہ اس کی محفل کے مزے دنیا کی تمام لذتوں سے نرالے ہیں اور شاید ان ہی لطف بھری الجھنوں کی طلب کو محبت کہتے ہیں۔ پتہ نہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا بس ایک جذبہ ہے جو جس پہ وارد ہوتا ہے وہی اس کو محسوس کر سکتا ہے بھلا اوروں کو کیا خاک بتائے گا میں اگر ساری زندگی بھی لکھتا رہوں تو شاید کچھ بھی نہ لکھ سکوں پتہ نہیں کیوں۔ شاید مجھے محبت ہے اور اے مجھ سے پوچھنے والے دیوانے اپنی دیوانگی سے سوال کر محبت کسے کہتے ہیں۔ شاید یہ بکھرے بکھرے بال تیرے سوال کا جواب دے سکیں۔ غالباً مجھے بھی محبت ہے اس ذات سے اس کے حبیب ﷺ سے اور اس راستے سے جس پر حبیب ﷺ کے نقوشِ کفِ پا ہیں۔

سیماب اویسی

اتباعِ نبی ؐ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

وَنَادٰی نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۝

اقوام عالم کا جو حال قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے اس سے مراد تاریخ بیان کرنا ہرگز نہیں ہے۔ تاریخ قرآن حکیم کا موضوع ہی نہیں۔ دراصل اس میں تاریخی واقعات کو اس غرض سے بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں معلوم ہو سکے کس قوم نے کیا روش اختیار کی اور اس پر کیا نتائج مرتب ہوئے تاکہ فطری قوانین ہمارے سامنے آئیں اور ہم اپنے لیے راستہ متعین کر سکیں کہ کونسے راستے میں بہتری پائی جاتی ہے انسان غلطیاں بھی کرتا ہے کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں، جرائم بھی سرزد ہوتے ہیں اور ایسے ایسے تباہ حال معاشرے بھی وجود میں آتے ہیں جن میں خدا کا نام تک لینے والا کوئی نہ تھا، اخلاق سے بے بہرہ تھے اور انسانیت کی کوئی اقدار نہ تھیں لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ رب کریم کے حلم نے انہیں مہلت دی، گنجائش دی اور دنیا میں پھلتے پھولتے رہے انہوں نے حکومتیں بنائیں، اولاد ہوتی رہی۔ مال و دولت ملتا رہا لیکن وہ بوقتِ حساب اس کی سزا پائیں گے

ایک سزا وہ ہوتی ہے گناہ کی جسے انسان محسوس نہیں کرتا لیکن وہ بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے اور وہ ہے اندرونی خلفشار اندر کا انسان ٹوٹتا پھوٹتا شروع ہو جاتا ہے بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر بگوے چلتے رہتے ہیں یہ تو ہے حتمی نتیجہ گناہ کا۔ لیکن سزا کی ایک صورت وہ ہوتی ہے جس میں بظاہر بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے اور وہ تباہ ہو جاتے ہیں دوسری صورت اقوام پر اس وقت وارد ہوتی ہے جب انہوں نے انبیاء کی مخالفت کی یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ اسے درگزر نہیں فرمایا اور یہ اتنا شدید جرم تھا کہ دنیوی اعتبار سے اور نسلی اعتبار سے بھی قریب ترین رشتہ رکھنے کے باوجود جس شخص نے نبی کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا تباہ ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس زمانے میں جب لوگوں میں گمراہی انتہا کو پہنچ چکی تھی آپ مبعوث ہوئے اور لوگوں کو ساڑھے نو سو سال مسلسل اللہ کی طرف راغب کرتے رہے کتنی عجیب بات ہے کتنا استقلال ہوتا ہے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کہ ساڑھے نو سو سال کی مسلسل تبلیغ کے بعد خواتین و حضرات، بچے بوڑھے ملا کر جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے ان کی تعداد فقط اسی کے قریب بیان کی جاتی ہے آپ اندازہ فرمائیں کہ ساڑھے نو سو سال کتنا عرصہ ہے اور اللہ کا اولوالعزم رسول ہو۔ اس کے پاس اللہ کا کلام ہو انبیاء کی اخلاقیات، انبیاء کا طرز استدلال، انبیاء کا طریقہ بیان، کلام اللہ کا ہو زبان نبی کی ہو اور ساڑھے نو سو سال قوم نے انہیں ستائیں، ایذائیں دی ہوں۔ حتیٰ کہ اللہ کی طرف سے ایسا عذاب وارد ہوا کہ روئے زمین کو غرقِ آب کر دیا گیا۔ کوئی چیز بھی نہ بچی۔

یہ دنیا انسانوں کے لیے بنائی گئی ہے اس کی نباتات، حیوانات، جمادات اس کے خزانے سب انسان کے لیے ہیں اور جب انسان پر گرفت آتی ہے تو یہ ساری چیزیں اس کے ساتھ متاثر ہوتی ہیں جب کوئی بادشاہ شکست کھاتا ہے، مارا جاتا ہے تو سارا محل اجڑتا ہے ساری سلطنت متاثر ہوتی ہے ساری ریاست پہ انقلاب آجاتا ہے اور رعایا رسوا ہو جاتی ہے آبادیاں اجڑ جاتی ہیں حالانکہ میدان جنگ کو تو بادشاہ نے اختیار کیا ممکن ہے اس کی قوم اس کی رعیت اس لڑائی کو پسند نہ کرتی ہو لیکن نتیجہ سب کو بھگتنا پڑتا ہے اسی طرح جب انسان خطا کرتا ہے تو اس کا عالمگیر اثر مرتب

ہوتا ہے اور روئے زمین کی ہر چیز متاثر ہوتی ہے اسی لیے قرآن حکیم میں گناہ کا جو فلسفہ ارشاد فرمایا کہ زمین کو میں نے بڑا خوبصورت بنایا اس پر فساد اور تباہی پھیلانے کا سبب نہ ہو۔ نوحؑ کا سگا بیٹا تھا جس نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور جب آپ نے لوگوں کو کشتی میں سوار کر لیا ہر طرف پانی ہی پانی ہو رہا تھا تو وہ ایک پہاڑی کی چوٹی کی طرف بڑھ رہا تھا وہ پانی کے کنارے تک تھا ابھی اس تک طوفان نہیں پہنچا تھا حضرت نوحؑ نے اسے آواز دی فرمایا یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ اس کشتی میں آجاؤ وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔ انکار کرنے والوں کا راستہ اختیار نہ کرنا۔ اس کے جواب میں ان کے بیٹے نے دنیوی اسباب کا آسرا لیا۔ کہنے لگا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی پانی سے بچائے گا میں اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے طوفان سے بچائے گی مجھے آپ کے ساتھ بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ فرمایا آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ اللہ کی گرفت بہت تیز ہے سوائے اس کے کہ جس پر وہ رحم کرے۔ صرف وہی بچ سکتا ہے جسے وہ بچانا چاہے جس پر وہ رحم کرے کوئی دنیوی سبب۔ بچا نہیں سکے گا یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ان کے بیچ میں موج آڑے آئی اور وہ ڈوبتوں میں رہ گیا۔ پانی کی لہر اٹھی اور پھر جواب دینے کی فرصت نہ تھی۔

تو یہ ہے انبیاء کے ساتھ عدم تعاون یا انکار کا حتمی نتیجہ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ آدمی مجسم عذاب نظر ہو جاتا ہے اور یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ زبان سے یا اپنے کردار سے میدان عمل میں انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ چلے۔ اگر آج کی دنیا کو دیکھیں بڑی بڑی ترقی یافتہ اقوام جنہوں نے سائنسی ایجادات میں انتہا کر دی اگر انہیں قریب جا کر دیکھیں تو پکتے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہے ہیں اور تباہ ہو چکے ہیں۔ جسمانی اور مادی اعتبار سے تباہ ہو چکے ہیں میں نے نیویارک میں ایک نوجوان مولوی صاحب سے یہ سوال کیا کہ بھئی آپ جب یہاں رہتے ہیں تو نماز پڑھانے پر ہی اکتفا کیوں کرتے ہیں آپ اس سے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز کی طرف یا نیکی کی طرف دعوت کیوں نہیں دیتے؟ کیا وجہ ہے کہ آپ مسجد میں بیٹھے ہیں اور ارد گرد کی آبادی کفار پر مبنی ہے یہ لوگ دین سے بے بہرہ ہیں آپ انہیں کچھ نہ کچھ بتائیں خصوصاً جبکہ آپ خطاب بھی انگریزی میں کرتے ہیں۔ ان کی زبان بھی سمجھتے ہیں، عالم بھی ہیں جوان بھی ہیں تو انہوں نے بڑی حسرت سے کہا کہ حضرت ہم بات کس سے کریں؟ کام کے اوقات میں تو بچے سکولز میں اور والدین کام پہ گئے ہوئے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو لڑکے کسی Girl Friend لڑکی (دوست لڑکی) کے ساتھ نکل جاتے ہیں لڑکیاں اپنے Boy Friend (دوست لڑکوں) کے ساتھ نکل جاتی ہیں۔ بیوی کسی مرد دوست کے پاس چلی جاتی ہے اور خاوند کی کوئی عورت دوست ہوتی ہے وہ اس کے پاس چلا جاتا ہے یا اسے بلا لیتا ہے ہم کس وقت ان سے بات کریں؟ ان کے گھر تو ویران ہوتے ہیں۔ اب اس سے زیادہ انسانی تباہی کا تصور کیا ہوگا؟ جانور بھی اپنا کنبہ، اپنی نسل سنبھال کر رکھتے ہیں۔ درندے بھی اپنے کنبے و نسل کی حفاظت کرتے ہیں یہاں ہمیں حسرت ہوتی ہے کہ ہم امریکہ چلے جائیں میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ بوڑھے بوڑھے لوگ، مرد، عورتیں ان لفافوں میں جو لوگ کوڑے کے ڈھیر پر پھینک جاتے ہیں روٹی کے بچے کھچے ٹکڑے تلاش کر رہے ہوتے ہیں اور نیویارک جیسے شہر میں کم از کم بیس، تیس فیصد آبادی ایسی ہے جو رات کو فٹ پاتھ اور پلیٹ فارموں پر سوتی ہے وہ ذلت جو میں نے وہاں دیکھی ہمارے ہاں کے خانہ بدوش جنگل میں رہنے والے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہاں تو مانگے سے بھی روٹی نہیں ملتی۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ میں بھیک مانگ لوں تو بھی روٹی نہ پا سکے گا اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ جو بہت مہذب لوگ ہیں وہ والدین کو Old Home میں داخل کرا دیتے ہیں بوڑھوں کے لیے لوگوں نے تجارتی بنیادوں پر گھر بنا لیے ہیں جیسے بچوں کے سکولوں کے ساتھ ہوسٹل ہوتے ہیں اسی طرح old homes ہیں بوڑھی عورتوں اور بوڑھے مردوں کو اولاد جا کر گویا جمع کرا دیتی ہے جیسے کوئی فالتو سامان ہوتا ہے ہر مہینے کی فیس (old homes کی) کھانے اور رہائش کے اعتبار سے متعین ہے کہ اتنی فیس ماہوار دو گے تو یہ کھانے کو ملے گا اتنی دو گے تو اس سے اچھا ملے گا اور مزید دو گے تو اس سے بھی اچھا دیا جائے گا۔ وہاں کیٹیگریز ہوتی ہیں کھانے اور رہائش کی تو نوجوان نسل وہ ماہوار فیس اس بوجھ کے اتارنے کے لیے ادا کرتی رہتی ہے لیکن پوچھنے کوئی نہیں آتا۔ والدین میں سے کوئی مر جائے تو بڑا ہی فرمانبردار بیٹا ہوگا جو دفن کرنے اور دیگر انتظامات

کے لیے پیسے دیں گے ورنہ یہ حکومت کا مسئلہ ہے کہ وہ کسی ہسپتال میں لڑکوں کے تجربات کے لیے لاش بھیج دے یا دفن کرے بلکہ اب تو انہوں نے دفن کرنا ہی چھوڑ دیا ہے کہ قبر کے لیے جگہ خریدنا دفن کرنے کا اہتمام کرنا قبرستان ان سب پہ کم از کم پانچ ہزار ڈالر امریکی کرنسی خرچ ہو جاتی ہے تو اڑھائی ہزار ڈالر میں ایک طریقہ استعمال کر لیا جاتا ہے۔ وہ آدمی (لاش) کو پہنچاتے ہیں۔ اسٹریچر پہ لاش رکھی ہوتی ہے جسے ایک مشین سے گزارتے ہیں جس میں ہزاروں وولٹیج بجلی ہوتی ہے اس طرف سے اسٹریچر اس میں داخل ہوتا ہے تو اس طرف سے جب نکلتا ہے تو مٹھی بھر خاک ہوتی ہے جسے نائلون کے لفافے میں ڈال کر وہ دے دیتے ہیں اور اکثر لوگوں نے اب یہ وطیرہ اپنایا ہے کہ مرنے والے بزرگوں کو لے جاتے ہیں اور لفافوں میں ڈال کر لے آتے ہیں اور بوتل میں ڈال کر انگیٹھی پہ رکھ دیتے ہیں Here is my grand mother or grand father. ڈیکوریشن پیس کی طرح وہ بوتل ٹیلی ویژن پر پڑی ہوگی یہ میرے والد صاحب ہیں، والدہ ہیں، بھائی ہے یا بیٹی ہے۔ بوتل میں مٹھی بھر خاک پڑی ہوتی ہے اب اس سے زیادہ تباہی کا تصور کیا ہے، بوڑھے بوڑھے لوگوں کو آپ دیکھیں گے وہ سڑک پر شراب پی کر پھینکے گئے ڈبوں کو الٹ الٹ کر ان میں چند قطروں کی صورت میں بچی ہوئی شراب کو اکٹھی کرتے ہیں اور جب وہ ایک دو گھونٹ کے برابر جمع ہو جاتی ہے تو اسے پی کر خوش ہو لیتے ہیں سوچئے یہ انسانی زندگی کا کیا تصور ہے؟ جب انسان سے انسانیت ہی رخصت ہو جائے تو پھر وہ جانوروں کی سی زندگی ہی تو گزارتا ہے۔ کھاتا ہے پیتا ہے اور چلا جاتا ہے اور یہ اتنا بھیانک رخ ہے وہاں کی زندگی کا کہ نیویارک جیسے بڑے شہر میں نہ تو کسی کی زندگی محفوظ ہے نہ مال اور نہ ہی عزت اور عجیب بات تو یہ ہے کہ وہاں کی پولیس رشوت نہیں لیتی، عدالت رشوت نہیں لیتی، سفارش نہیں چلتی لیکن جرائم ہیں روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں مگر کیوں؟ اس لیے کہ اللہ سے دوری اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت سے محرومی نے انسانوں کو درندہ بنا دیا ہے وہ جرائم سے فقط اس حد تک بچنا چاہتے ہیں کہ حکومت کی نگاہ میں نہ آئیں۔ انسان کو انسان سمجھ کر انسانی اخلاق کی بنیاد پر کوئی شخص جرائم کی انتہا کو پہنچ جائے یہ کتنی کڑی سزا ہے اور اس کے ساتھ جو مصیبتیں وہاں بیماری، طوفانوں اور زلزلوں کی صورت میں آتی ہیں انہیں ان کی کسی بھی طرح کی کوئی ایجاد روک ہی نہیں سکتی۔ ایک مصیبت ایک بیماری کا علاج اگر سالوں بعد دریافت ہو جائے تو ایک ایسا مرض پیدا ہو جاتا ہے جس کا کوئی حل ہی نہیں ہوتا اور ساری سائنسی ترقی دھری کی دھری رہ جاتی ہے اب وہاں "ایڈز" شروع ہو گئی ہے یہ عجیب مرض خدا نے بھیج دی ہے وہاں کہ آدمی اچھا بھلا ہوتا ہے مگر اس میں قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے اگر اسے زکام بھی ہو گا تو مر جائے گا کسی معمولی سی بیماری کو بھی برداشت کرنے کی قوت نہیں رہتی بعض ہیں۔ اور جیسے ایڈز ہو جاتی ہیں وہ صرف موت کا انتظار کرتا ہے کوئی معمولی سا مدفن ہوا اور وہ مر گیا پھر اس کی حالت اس لحاظ سے بھی قابل رحم ہوتی ہے کہ پورے معاشرے میں کوئی شخص بھی مریض کے پاس جا کر اس سے بات کرنے کو تیار نہیں ہوتا کہ کہیں اسے بھی ایڈز نہ ہو جائے کوئی مریض کے ساتھ کھانے پینے کو تیار نہیں۔

پچھلی دفعہ جب ہم لوگ وہاں گئے تو پانچ لاکھ سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جن کے متعلق طے تھا کہ انہیں ایڈز ہے لیکن اس کے ساتھ بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایڈز کا مرض لاحق ہونے کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب وہ ناقابل علاج ہو چکا ہوتا ہے یعنی اس مرض کی ابتدائی مراحل میں اس کے لاحق ہونے کا علم ہی نہیں ہو پاتا اب وہاں کے لوگ اس بات سے پریشان تھے کہ ان پانچ لاکھ مریضوں نے بجائے مزید کتنے لاکھوں افراد کو ایڈز زدہ کی ہو گی حتیٰ کہ مجھے ایک خاتون کی Cassette ملی مدینہ منورہ میں جس میں اس نے یہ شکوہ کیا تھا کہ "میں وہاں شادی کرنا چاہتی ہوں اور ہماری بات طے ہو گئی تھی لیکن میں نے اسے (لڑکے کو) کہا کہ تم پہلے میڈیکل سرٹیفکیٹ لے آؤ کہ تمہیں ایڈز نہیں ہے"۔ یعنی ایک لڑکی سارا معاملہ طے کرنے کے بعد اب اس لڑکے سے مطالبہ کر رہی ہے کہ "تم ڈاکٹر سے جا کر چیک اپ کراؤ اور یہ سرٹیفکیٹ لاؤ کہ تمہیں ایڈز نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایڈز ہو اور شادی کے بعد وہ مجھے بھی ہو جائے۔ اس لڑکی نے مجھے کہا کہ "اس مطالبے پہ وہ خفا ہو گیا ہے آپ اسے سمجھائیں کہ یہ کسی ناراضگی کی بات نہیں ہے یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے"۔ اب آپ اندازہ کر لیں کہ وہاں انسانی زندگی کیا رہ گئی ہے؟ یعنی وہ بداخلاقی سے پلے بڑھے آپ سے ان کا جو جنسی

رابطہ تھا اب اس میں بھی ایک مصیبت آگئی ہے یہ جنسی بے راہ روی انہوں نے خوفِ خدا سے نہیں ترک کی، نبی کریمؐ کے ارشادات کو سن کر نہیں چھوڑی بلکہ خدا تعالیٰ نے انہیں ایک ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیا کہ اب جنسی تعلق میں بھی انہیں لذت کی بجائے پریشانی و خدشات محسوس ہونے لگے ہیں۔

وہاں اس ساری سائنسی ترقی کے باوجود کوئی شخص سکون سے نہیں سو سکتا کسی نہ کسی عجیب و غریب الجھن میں مبتلا رہتا ہے اب ایک دوسرا عجیب و ناقابلِ علاج مرض ان کے درمیان پیدا ہو گیا ہے جسے وہ لوگ "انجانا خوف" کہتے ہیں اس میں مریض خوفزدہ ہو جاتا ہے خوف کے مارے اسے نیند نہیں آتی کچھ کھا پی نہیں سکتا، اکیلے میں کوئی کام نہیں کر سکتا اسے ہر لمحہ ایک خوف اور ڈر محسوس ہوتا ہے لیکن اگر اسے پوچھا جائے کہ تم کس سے ڈرتے ہو؟ تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا اسے خود معلوم نہیں کہ وہ کس سے ڈرتا ہے مگر وہ ڈرتا ہے کسی بھی اجنبی کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہو گا کہ وہ مجھے مار دے گا اسے لاکھ سمجھائیں کہ بھئی تمہیں وہ جانتا نہیں تمہارا اس سے کوئی لین دین نہیں وہ تمہیں کیوں مارے گا؟ مگر وہ بدستور خوفزدہ رہیگا۔ ایک شخص کافی عرصہ تک مجھ سے خط و کتابت کرتا رہا کسی طریقے سے پتہ چلا کہ میں نیویارک میں ہوں تو وہ وہاں مجھ سے ملنے کے لیے آ گیا ہمارے ساتھ ایک رات ٹھہرا۔ صبح ہم باہر کہیں جانے کے لیے نکلے۔ ہمارے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ہم پچھلی گاڑی سے بچھڑ گئے، دراصل ہم ایک پٹرول پمپ میں داخل ہو گئے تو پچھلی گاڑی کو سمجھ نہ آئی کہ ہم کدھر مڑ گئے ہیں اس نے واپس مڑ کر ہمیں دیکھنے کے لیے چکر لگایا کہ شاید ہم واپس گھر کی طرف گئے ہیں کچھ رہ گیا ہو گا اسے لینے کے لیے تو پچھلی گاڑی میں بیٹھنے والے احباب بتاتے ہیں کہ جیسے ہی ہم نے گاڑی موڑی تو دیکھا کہ وہ رات ہمارے پاس آنے والا شخص ہاتھ میں بیٹ (ڈنڈا) لیے لہراتا ہوا بیگ اٹھائے سرپٹ بھاگا جا رہا ہے انہوں نے گاڑی روک کر اسے پکڑا اور پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ "میں ڈر گیا ہوں وہ لوگ مجھے ماریں گے" انہوں نے کہا کیسی عجیب بات کرتے ہو وہ تمہیں کیوں ماریں گے تو کل شام ایک رات سب کے ساتھ رہا تمہیں عزت دی پیار کیا تمہیں ماریں گے کیوں؟ کہنے لگا "پتہ نہیں مگر مجھے ڈر لگتا ہے لہٰذا میں بھاگ کھڑا ہوا ہوں"۔ خیر احباب اسے دوبارہ پکڑ لائے وہ دس بارہ دن ہمارے ساتھ رہا۔ الحمد للہ مسلمان ہوا۔ ذکر سیکھا، نماز سیکھی تو جب ہم واپس آ رہے تھے وہ نیویارک ائیرپورٹ پہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا لوگ حیران رہ گئے کہ اسے کیا ہوا؟ کہنے لگا ساری زندگی گزر گئی، پیسہ بھی کمایا، ہر طرح کے عیش کیے، موجیں اڑائیں لیکن خوف تھا کہ کھائے جا رہا تھا اب آ کر کہیں آرام کی نیند آنا نصیب ہوئی ہے مجھے آپ کے پاس آ کر سکون ملا ہے اور آپ جا رہے ہیں۔

یعنی آپ دیکھیں ساری سائنسی ترقی کے باوجود جب آپ اپنے ہی ملک میں کسی انسان کو چند لمحے سکون کے نہیں دے سکتے تو پھر آپ نے کیا دیا؟ کیا وہ Enjoyments، وہ تحفظ، وہ سائنسی ترقی اس سب کا کیا فائدہ؟ اور یہ "انجانا خوف" کیا ہے، اللہ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دوری کا وہ منطقی نتیجہ ہے کہ آخرت میں جو کچھ اس کے لیے بن رہا ہے اس کا پرتو انسانی مزاج پر، انسان کے دل پر وارد کیا جا رہا ہے، منعکس ہو رہا ہے اب اگرچہ وہ آخرت کو نہیں مانتا لیکن وہ خوف اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

ہم لوگوں نے بھی یہ روش اپنا لی ہے کہ اپنی ساری مصیبتوں کا حل ہم پہاڑی پر چڑھ کر تلاش کرتے ہیں۔ دنیوی اسباب کو ہم نے اپنی نجات کے لیے چن لیا ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں سفارش مجھے بچا لے گی، دولت آ گئی تو میں بچ جاؤں گا پیسے ہوں گے تو میرا کام ہو جائے گا، فلاں دروازے پر جاؤں گا تو بچ جاؤں گا۔ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ (میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا) جس طرح نوحؑ کے بیٹے نے کہا تھا اسی طرح ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھاگ کر، مختلف لوگوں کی پناہ لے کر، مختلف ذرائع اختیار کر کے اپنے آپ کو ان چیزوں سے جو من جانب اللہ بطور سزا مسلط ہو جاتی ہیں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دیکھیے تکلیف نیک لوگوں پر بھی آتی ہے تکلیف بدکاروں پہ بھی آتی ہے لیکن اطاعتِ الٰہی میں جو تکلیف آتی ہے اس میں ایک لذت ہوتی ہے ایک لطف ہوتا ہے بڑا فرق ہے ہجر و وصال میں ؎

جا پیاریا توں ہزار واریں
تے آ جا سوہنیا لکھ وار آ جا

بچھڑنے اور ملنے کی اپنی اپنی لذتیں ہیں ہزار بار ملیں اور

لاکھوں بار بچھڑیں۔ اسی طرح اللہ کی طرف سے اگر تکلیف آتی ہے تو وہ تلافیٔ مافات اور ترقیٔ درجات کے لیے ہوتی ہے لہذا اس میں ایک لذت ہوتی ہے چوٹ بھی آئے تو اس میں لطف آتا ہے اور جو تکلیف بطور سزا آتی ہے اس میں دکھ ہوتا ہے، دل ویران ہو جاتے ہیں انسان پریشان ہو جاتا ہے، اجڑ جاتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید کو جنت میں داخل فرمانے کے بعد اللہ کریم اس سے پوچھیں گے کہ تو نے میرے راستے میں جان دی، گولیاں کھائیں، تلواروں کے وار سہے، نیزہ لگا آگ میں جلا، اگرچہ میں نے تمہیں بے پناہ نعمتیں دی ہیں مگر تو بھی تو کوئی مطالبہ کر، کچھ مانگ مجھ سے، وہ کہے گا کہ اللہ میں کیا مانگوں؟ تو نے اتنا دیا ہے مجھے کہ سمجھ میں نہیں آتا مزید کیا مانگیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں اللہ کریم اصرار کریں گے۔ اس سے پوچھیں گے کہ اپنی کوئی تو خواہش بتاؤ۔ تو وہ کہے گا کہ اللہ اگر تو کچھ دینا ہی چاہتا ہے تو مجھے دنیا میں بھیج دو، جہاد نصیب کرو اور مجھے ایک دفعہ وہ زخم پھر سے لگیں، میرا جسم پھر سے اڑے، ٹکڑے ٹکڑے ہو۔ بظاہر یہ بہت بڑی چیز ہے کہ جسم کے پرخچے اڑ گئے لیکن جو لذت اس میں تھی وہ شہید کو جنت میں بھی یاد آتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ کاش یہ لذت ایک دفعہ پھر نصیب ہو جو تکلیف نیکی کے راستے میں آتی ہے اس میں لطف و کرم ہوتا ہے اور جو تکلیف اللہ سے ناراضگی کے سبب آتی ہے وہ بظاہر تھوڑی بھی ہو تو بھی دکھ دیتی ہے۔ دل ویران ہو جاتا ہے اور آپ دیکھ لیں کہ ہمارے جسم اتنے ویران نہیں ہوتے جتنے دل ویران ہوتے ہیں جسم صحت یاب بھی ہو تو اس میں دل صحت مند نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کشتی کو چھوڑ کر پہاڑ کو چن لیا حالانکہ کشتی سلامتی کی علامت ہے اس میں رسول اللہ دعوت دے رہے ہیں کہ اس میں آجاؤ کتنی عجیب بات ہے کوئی پابندی نہیں لگاتے تم نے ساٹھ برس ضائع کر دیے، اسی برس کھو بیٹھے، تم نے گناہ کیا، برائی کی، کلب جاتے رہے، شرابیں پیتے رہے تم کچھ بھی کرتے رہے لیکن کبھی آجاؤ بھاگ آؤ۔ یعنی ہمارے کچھ بھی کر گزرنے پہ بھی آواز آتی ہے کہ اب آجاؤ مگر اس کے باوجود ہم اللہ کی اطاعت کی طرف اللہ کی ذات کی طرف حضورؐ کی اتباع کی طرف نہیں بڑھتے اور دنیا کی طرف بھاگتے رہتے ہیں کہ سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ تو فرمایا "اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں") پہاڑوں کی بلندیاں سمٹ جاتی ہیں زمین پھٹ جاتی ہے، کھڑا ہونے کو جگہ نہیں ملتی۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ سوائے اس کے کہ اللہ ہی رحم فرمائے اور اللہ نے تو اپنے رحم کا مرکز اور مقام ارشاد فرما دیا۔ ذاتِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی سراپا رحمت، مجسم رحمت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بچھڑنا رحمت الٰہی سے محروم ہونا ہے اور حضورؐ کے سایہ کرم میں جانا رحمت الٰہی کو پانا ہے دنیوی اسباب اس وقت مؤثر ہوتے ہیں، کشتی بھی تب کام دیتی ہے جب اس میں نبی کی شفقت ہو۔ اگر کشتی میں بھی نوحؑ نہ ہوتے، ان کا اتباع نہ ہوتا تو کشتی بھی الٹ چکی ہوتی۔ ظاہر ہے اس وقت صرف وہی کشتی تو نہ ہوگی روئے زمین پر اور بھی بیشمار لوگوں نے کشتیاں بنائی ہوں گی ان میں سے کوئی نہ بچا اور یاد رکھیے زمانہ لمبی مہلت نہیں دیتا کوئی بھی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے اور آدمی ہمیشہ کے لیے ڈوب جاتا ہے، تباہ ہو جاتا ہے، غرق ہو جاتا ہے۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہ لبیک کہتے ہیں خطا تو انسان سے ہوتی رہتی ہے انسان آخر انسان ہے لیکن کم از کم اس کی جائے پناہ کا ادراک تو ہو اس کی طرف بڑھتا تو ہو کبھی گرے گا، کبھی لڑکھڑا جائے گا کبھی ٹھوکر لگے گی لیکن اس کا سفر تو صحیح سمت میں ہو۔ پھر اللہ کریم بھی حفاظت فرما لیتے ہیں، کمزوریوں سے درگزر فرماتے ہیں کوتاہیاں معاف فرما دیتے ہیں بلکہ فرمایا "میں ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہوں" معاف کرنا اور بات ہے اور خطا کو نیکی میں بدل دینا اور بات۔ اللہ کریم فرماتے ہیں خطا کو نیکی بنا دینا میرا کام ہے تو بڑھ تو سہی اور اگر اس نے سمت بدل دی اور مادی اعتبار میں کھو کر اتباعِ نبوت کو بھول ہی گیا تو اسے واقعی جائے پناہ نہ رہی اس نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر عذاب کی گرفت میں دے دیا اللہ کریم ہمیں صحیح قوت فیصلہ اور نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

فعل اور قول

ادریس چوہدری

ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہمارے کرنے کے کام بھی بس کہنے کی صورت میں ڈھلتے جاتے ہیں۔ عمل سے بیگانہ ہو کر باتوں کو ہم نے زادِ راہ بنالیا ہے۔ تمام اشیائے کائنات خاموشی سے اپنے اپنے فرائض کی بجاآوری کر رہی ہیں اس لیے یہ اصول ہمارے سامنے ایسا آیا کہ کام کرنیوالے باتیں نہیں کیا کرتے۔ مگر انسان کی یہ کیفیت ہے کہ باتیں تو بڑھ چڑھ کے کرے گا اور عمل کے نام سے صفر۔

قرآن کریم ہم سے سوال کرتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ،

"کہ جو کہتے ہو وہ کرتے کیوں نہیں!" تمہارے سامنے اتنی بڑی کائنات ہے جو دن رات خاموشی سے مصروفِ عمل ہے مگر تم صرف باتیں ہی کرتے چلے جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بولنے کی صلاحیت عطا کرکے کائنات سے ہمیں متمیز کیا ہے تو کیا اس صلاحیت کا صحیح استعمال ہماری ذمہ داری نہیں؟ قرآن کریم میں خارجی کائنات کے نظامِ عمل کا جو تقابل دکھایا گیا ہے تو اس لیے اللہ کریم کے نزدیک پسندیدہ وہ ہیں جو محض باتیں نہیں کرتے بلکہ جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اللہ کریم کا یہ حکم ہمیں منافقت سے بچنے اور روکنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم نے منافقین کی توضیح چار لفظوں میں کر دی ہے يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ وہ زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ کیا خدا کا یہ فرمان ہمیں آئینہ نہیں دکھا رہا۔ حقائق سے نگاہیں چرانے سے حقائق مٹ نہیں جایا کرتے۔

ہم مانیں یا نہ مانیں یہ حقیقت تاریک رات کی طرح ہمارے سامنے ہے کہ ہماری زندگی کا ہر گوشہ اسی منافقت سے ملوث ہے۔ جس کے اختیار کرنیوالے کا ٹھکانہ جہنم بنایا گیا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ؛ یقیناً منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے کے مستحق ہیں۔

ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور کیوں کسی موقع پر بھی وہ نظر نہیں آتے جو دراصل ہم ہوتے ہیں۔ دل کے انکار کے ساتھ دوسروں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بزعمِ خویش ہم ان کو دھوکہ دیتے ہیں جبکہ ہمارے دلوں کا یہ روگ خود ہماری ذات

کو مسلسل دھوکے میں رکھتا ہے ہم قرآن کریم کو پڑھنے اور سننے والے یکسر یہ بھول جاتے ہیں کہ خدائے علیم و خبیر ہمارے دلوں میں گزرنے والے خیالات اور نگاہوں کی خیانتوں تک کو جانتا ہے۔

ہم بحیثیت (نام نہاد) مسلمان قرآن و سنت کے حوالے دیتے ہوئے بڑھ چڑھ کر اخلاق و کردار کا پرچار کرتے ہیں تاکہ کسی کو ہمارے مسلمان ہونے میں شبہ نہ ہو۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم سوسائٹی میں معتبر نظر آئیں۔ باقی جہاں تک کچھ کرنے اور کہی بات کو عمل میں لانے کا تعلق ہے تو اسے ہم اپنا ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں جس میں کسی دوسرے کا دخل نہ ہم برداشت کرتے ہیں نہ اس کی اجازت دیتے ہیں ہمارا موقف یہ ہوتا ہے کہ ہمارا جو دل چاہے گا وہی کریں گے۔ یعنی جو کہیں گے وہ نہیں کریں گے۔ اور آپ کو کس نے حق دیا ہے ہم پر اعتراض کرنے کا۔ بات بھی بالکل صحیح ہے جب ہم دھڑلے سے اللہ کے حکموں کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں تو اللہ کے بندوں کی اہمیت کیا پیدا ہو سکتی ہے۔ اوروں سے ہم کسی نہ کسی بات کا وعدہ تو ضرور کر ہی لیں گے۔ وعدہ کرنے میں دوسروں پر اپنی خود ساختہ خوش اخلاقی کا سکہ طاری رہنا چاہیے تاکہ وہ ہمارے دام تزویر کا اسیر ہو سکے۔ چنانچہ جب کسی کو ہم سے کسی مدد کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو ہم نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اسے اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔

آپ اس بارے میں فکر ہی نہ کریں۔ آپ بس اپنا کام ہوا سمجھئے اِدھر وہ مطمئن ہو کر واپس لوٹتا اُدھر ہم نے ایک قہقہہ لگایا اور اس بات کو جھٹک کر ذہن سے الگ کر دیا کہ فلاں کے ساتھ ہم نے یہ وعدہ کیا تھا۔ جب شعار زندگی یہ ہو جائے کہ جھوٹ کی بلاتی ترکیب اور اس سے بچنے کی تلقین بھی جاری رکھو لیکن خود اس طرح جھوٹ بولو اور بولتے رہو کہ سننے والے کو اس کے سچ ماننے میں ذرہ بھر تامل نہ ہو سکے۔ وہ اسکو سچ ماننے پر مجبور ہو جائے تو ایسے معاشرے میں وہ افراد کہاں سے پیدا ہوں گے جو اس ارشاد ربانی لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کو اپنے اعمال کا آئینہ بنا کر کہنے اور کرنے میں فرق کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ایمان اور عمل کو

سرمایت پیر اللہ کرے
[illegible]
ایک رات خود [illegible] اتر مدد کو جنگ کے لیے دعا کی۔ اگر تو اس
دن یہ دعا [illegible] تمام عالم کے کفار اسلام پر جمع ہو کر لڑیں اور دنیا
سے کفر کا خاتمہ ہو جائے تو یقیناً تیری دعا قبول ہو جاتی۔

لازم و ملزوم ٹھیرایا ہے یعنی حق کو دل کی رضامندی کے ساتھ قبول کرتے ہوئے عمل میں لایا جائے۔ اسے ہم سب مانتے ہیں۔ اور یہ بھی ہم نے قرآن کریم میں پڑھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اجر عظیم کی صورت میں ملے گا تو پھر ہمارے لیے یہ پستیاں اور ذلتیں کیوں! اس لیے کہ ہم نے اپنے کہنے اور کرنے کو جدا جدا کر رکھا ہے جب زبان کے اقرار سے ظاہر یہ کیا جائے کہ ہمیں منظور ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور دل اس کی گواہی نہ دے رہا ہو تو معاشرے کو انتشار اور فتنہ و فساد کے سوا کیا حاصل ہوگا۔ ہمارے دور میں جس قدر بھی جرائم ہو رہے ہیں ان کی بنیادی وجہ دل اور زبان میں ہم آہنگی کا نہ ہونا ہے۔ اسی کے بعد اعتماد ہی اٹھ جاتا ہے۔

جرائم کے اسباب

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

۱۔ معاشی مجبوریاں آج سے تقریباً آٹھ سال قبل مجھے حکومت پاکستان کے کچھ محکموں میں کام کرنے کا موقع ملا تھا اور میں نے خاموشی سے ایک سروے کیا اور پڑھے لکھے لوگوں کا سروے کیا صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پاکستان کے کتنے پڑھے لکھے لوگ رزق حلال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور کتنے لوگ حالات کے تابع ہیں سروے تو بہت طویل تھا لیکن نتائج بہت مختصر تھے۔ تین جملوں میں نتائج یہ تھے کہ پانچ فیصد لوگ مجھے ایسے نظر آئے جن کی یہ کوشش تھی اور اس کوشش میں وہ کامیاب تھے کہ رزق حلال ہی کھایا جائے خواہ انہیں لباس چیتھڑوں کی شکل میں پہننا پڑے، فاقہ آ جائے لیکن حلال ہی کھائیں گے یہ لوگ مجھے پانچ فیصد نظر آئے۔ دس فیصد ایسے لوگ تھے کہ جن کی سوچ یہ تھی کہ خواہ ان کی تنخواہ پچاس ہزار روپیہ مہینہ کر دی جائے حرام تو ضرور کھائیں یہ لوگ مجھے دس فیصد کے قریب نظر آئے ان کی گھٹی میں اور ان کے مزاج میں رشوت جوڑ توڑ اور سارے طریقے جو حرام خوری کے ہو سکتے ہیں بسے ہوئے ہیں کچھ کر لیجئے ان کی تنخواہ بڑھا دیجئے ان کو اسباب اور وسائل دے دیجئے وہ حرام کھاتے رہیں گے اور میں نے دیکھا کہ ایسے لوگ سعودی عرب بھی آئے ان کی تنخواہیں یہاں بہت زیادہ تھیں یہاں پر بھی وہ حرام خوری سے باز نہیں آئے۔ رہ گئے پچاسی فیصد لوگ ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ حالات سے مجبور لوگ ہیں ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں بلکہ تقریباً سب لوگ ایسے ہیں کہ اگر تعلیم و تربیت مناسب ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان کے اقتصادی حالات ذرا سے بہتر کر دیئے جائیں تو یہ حضرات حرام کھانا چھوڑ دیں گے اور حلال کی طرف توجہ کریں گے۔ معاشی مجبوریوں کے تحت بعض ضرورتوں کے تحت یا ایک جو فضا بنی ہوتی ہے ایک خاص قسم کا طرز زندگی اور معیار زندگی حاصل کرنے کے لیے ناجائز ذرائع کا سہارا لیں۔

پہلی قسم کے پانچ فیصد حضرات اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع نہیں ہیں۔ انہیں فی الحال نظر انداز کیجئے، ہر چند کہ یہی اس قوم کا اصل سہارا ہیں وہ بھوکے مر جائیں گے وہ حرام

نہیں کھائیں گے۔ دس فیصد جو خالصتاً حرام خور ہیں ان کو بھی آپ نظر انداز (NEGLECT) کر دیجئے ان کے لیے تو شریعت نے تعزیرات اور حدود مقرر کی ہیں۔ اصلاح کا اور اقتصادی حالات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ پچاسی فیصد گروپ جو ہے جسے آپ تنخواہ دار (SALARIED) گروپ کہتے ہیں اس کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے خاص تعلیم اور تربیت کے ذریعہ سے اور اقتصادی حالات کو بہتر کرنے سے ان حضرات کی اصلاح ہوسکتی ہے ان کا اسی فیصد طبقہ بہت آسانی کے ساتھ اس پانچ فیصد طبقہ میں شامل ہوسکتا ہے جو حلال و حرام میں تمیز رکھتا ہے اب آئیے دیکھیں انسان حرام خوری اور حرام اعمال کی طرف کیوں متوجہ ہوتا ہے ارتکابِ معصیت کا پہلا سبب معاشی حالات ہیں، اس کی طرف توجہ بہر حال کرنی پڑیگی۔

۲۔ صحبتِ بد

دوسرا سبب صحبتِ بد ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر شخصیت ہر انسان بظاہر وہ اہم شخصیت نظر آتی ہے یا غیر اہم شخصیت اس پر ایک خاص قسم کی کیفیات ہوتی ہیں آپ اس کے پاس سے گزر جائیں تو وہ کیفیات آپ پر منعکس ہوں گی اس کا اندازہ نہ ہو یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن اگر آدمی آنکھیں کھول کے کسی شخص کے قریب جاکے بیٹھے تو ان کیفیات کا اس کو اندازہ ہوسکتا ہے اور یہ کیفیات متعدیہ ہوتی ہیں، دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ہر شخص پر دو کیفیتوں میں سے ایک کیفیت ضرور ہوگی یا تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت نازل ہو رہی ہو گی اور یا لعنت نازل ہو رہی ہوگی۔ تیسری کیفیت نہیں ہے رحمت کا مفہوم تو آپ سمجھتے ہیں کہ کیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا کثرت سے ذکر آیا ہے جب ابوبکر صدیق رضؓ غار ثور میں پریشان ہوگئے تھے تو ان پر رحمت و سکینت نازل ہوئی۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت ان پر نازل کی" (التوبہ-۴۰)

یہ رحمت ایک خاص کیفیت ہے جو انسان کو ایک خاص قسم کی شخصیت عطا کر دیتی ہے، خاص قسم کے اعمال پر موافقت اور توفیق دیتی ہے رحمت کے منقطع ہونے کی کیفیت کو لعنت کہتے ہیں۔ لعنت بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ عربی زبان میں لعنت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بند ہو جانے کو کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے انسانوں پر ہی نہیں ہر چیز پر۔ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منقطع ہونے کا سبب بنتے ہیں، بعض جگہیں بعض شخصیات بھی ایسی ہوتی ہیں کہ بعض وجوہات کے تحت اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے منقطع ہو جاتی ہے اس منقطع ہو جانے کو ہم لعنت کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نتیجہ ہے تو معلوم ہوا کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز ہر شخص پر وارد ہوتی ہے یا رحمت نازل ہو رہی ہوتی ہے اور یا لعنت نازل ہو رہی ہوتی ہے۔ پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عنایات اور اس کے فضل کا مظہر ہے۔ دوسری چیز (لعنت) اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی طرف سے عذاب کا ایک مظہر ہے رحمت انسان کو نیک اعمال کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یہاں پر یہ غلطی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجبور کرتا ہے انسان کو نیک اعمال پر بھی، برے اعمال پر بھی۔ یہ رحمت کا سبب بھی انسان خود ہے اس کے بعد کے جو نتائج نکلتے ہیں وہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اس میں اگر انسان رحمت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحمت دیتے ہیں نیک اعمال کی توفیق چاہتا ہے تو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے، برے اعمال کی توفیق چاہتا ہے برے اعمال کی توفیق ملتی ہے ابتداء تو انسان خود ہی کرتا ہے لیکن آگے بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھا دی جاتی ہے یہ کیفیت متعدیہ ہے یعنی یہ دوسرے شخص پر منعکس ہوتی ہے۔ رحمت کی کیفیت بھی اور لعنت کی کیفیت بھی۔ میں ایک شیخ کے یہاں بیٹھا ہوا تھا اور میں نے پوچھا کہ حضرت یہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ یوں کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور علماء صالحین کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے؟ اس پر آخر اس قدر زور کیوں دیا جاتا ہے؟ گرمی کے دن تھے، دیہات میں بیٹھے تھے، ایک شخص ان کو پنکھا جھل رہا تھا، کہنے لگے کہ پنکھے کی ہوا آرہی ہے؟ میں نے کہا "آتو رہی ہے" کہنے لگے کہ "پنکھا یہ شخص میرے لیے ہلا رہا ہے تمہارے لیے نہیں ہلا رہا ہے لیکن ہوا تمہیں بھی آرہی ہے۔ ایک جگہ پہ بارش ہو رہی ہوتی ہے لیکن اس کی پھوار، اس کی نمی، اس کی رطوبت ساتھ میں قریب کی جگہ پہ خود بخود منتقل ہوتی چلی جاتی ہے تو صالحین، علماء

ربانیین اور اولیاء اللہ پر ان کے نیک اعمال اور کثرت ذکر و عبادت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی ایک خاص رحمت ہر وقت نازل ہو رہی ہوتی ہے جو بھی ان کے قریب آ بیٹھتا ہے ان پر بھی وہ رحمت نازل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ (طویل حدیث ہے اس کا صرف آخری حصہ عرض کرتا ہوں) کہ "ایک جگہ کچھ لوگ اللہ تعالےٰ کی بات سننے سنانے کے لیے یا ذکر کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالےٰ نے کائنات میں کچھ فرشتے مقرر کئے ہیں جو صرف ان لوگوں کے لیے اور ان پر سایہ کرنے کے لیے ہیں تو وہ اطلاع کرتے ہیں کہ یہ ایک مجلس ہے جہاں تم آ سکتے ہو۔ فرشتے وہاں اس جگہ کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی اس جگہ پر رحمت نازل ہوتی ہے ایک شخص جو کسی اور کام جا رہا تھا انہیں دیکھ کر وہاں پر تھوڑی دیر کے لیے رک جاتا ہے۔ مجلس ختم ہو جاتی ہے اللہ تعالےٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ "بھئی یہ لوگ کیا کر رہے تھے"؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اے اللہ! یہ لوگ آپ کی محبت میں کچھ باتیں کر رہے تھے آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ پوچھیں گے (حالانکہ اللہ تعالےٰ جانتے ہیں) کہ "کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے"؟ "دیکھا تو نہیں۔" اللہ تعالےٰ پوچھتے ہیں "اچھا تو یہ لوگ اگر مجھے دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیا حالت ہوتی؟" تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اور بھی زیادہ ذکر کرتے اللہ تعالےٰ پوچھیں گے، "یہ لوگ کس چیز کی خواہش رکھتے ہیں"؟ جواب ہوگا کہ جنت کی تو ارشاد ہوتا ہے کہ "کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے"؟ "دیکھا تو نہیں ہے" "اگر جنت کو دیکھ لیں تو ان کی کیا کیفیت ہوگی" "تو اور بھی رغبت سے آپ کا ذکر کریں گے اور آپ کی باتوں میں لگیں گے، اطاعت کریں گے" "کس چیز سے یہ لوگ بچنا چاہتے ہیں"؟ "جہنم سے" "جہنم کو دیکھا ہے"؟ "وہ تو نہیں دیکھا" اگر جہنم کو دیکھ لیتے تو کیا کیفیت ہوتی؟" "اور بھی رغبت و رہبت سے آپ کی طرف مائل ہوتے" اللہ تعالےٰ فرمائیں گے کہ "تم شاہد رہو کہ میں نے ان سب کو بخش دیا" فرشتے یہ کہیں گے کہ یا اللہ ان میں ایک آدمی ایسا بھی آیا تھا جو اس مجلس کے لیے نہیں آیا وہ تو سرِراہ جا رہا تھا ایسے ہی اس کے کانوں میں کوئی آواز پڑھ گئی اس نے دیکھا ایک مجمع ہے تھوڑی دیر کے لیے کھڑا ہو گیا" اللہ تعالےٰ فرمائیں گے کہ "میں نے اسے بھی بخش دیا۔

اِنَّهُم قَومٌ لَا يَشقىٰ بِهِم جَلِيسُهُم (متفق علیہ) ترجمہ "یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین محروم نہیں رہتا"۔ میں اس جملے کی طرف آپ کو لانا چاہتا تھا کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے کہ ان کی صحبت اٹھانے والا کبھی خالی ہاتھ نہیں جاتا وہ بھی کچھ لے کر جاتا ہے اللہ تعالےٰ نے اس کو بھی بخش دیا۔ حدیث شریف میں آیا کہ "اِنَّمَا مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَجَلِيسِ السُّوءِ كَحَامِلِ المِسكِ وَنَافِخِ الكِيرِ، فَحَامِلُ المِسكِ إِمَّا أَن يُحذِيَكَ، وَإِمَّا أَن تَبتَاعَ مِنهُ، وَإِمَّا أَن تَجِدَ مِنهُ رِيحًا طَيِّبَةً۔ وَنَافِخُ الكِيرِ إِمَّا أَن يُحرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَن تَجِدَ مِنهُ رِيحًا مُنتِنَةً" (متفق علیہ)

ترجمہ "ایسا ہم نشین جو کہ صالح ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ عطر فروش اور ہم نشین جو کہ غیر صالح ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بھٹی دھونکنے والا۔ اب عطر فروش کے یہاں جائیں گے تو یہاں عطر خرید لیں گے، عطر خریدیں گے نہیں تو عطر کا ایک پھویا ہو سکتا ہے وہ لگا کر تمہیں دیدے، یہ بھی اگر نہیں ہوتا تو خوشبو تو آتی رہے گی۔ اس کے مقابلے میں بھٹی دھونکنے والا ہے یا تو وہاں سے کپڑے جلا کر اٹھیں گے کوئی چنگاری آئے گی جسم جلے گا کپڑے جلیں گے یہ بھی اگر نہیں ہوتا ہے بہت بچ بچا کے ذرا فاصلے پر بھی بیٹھ گئے تو دھواں اور بدبو تو آ کر رہے گی"، تو نیک اعمال کا سب سے بڑا سبب صحبتِ صالح ہے اور بد اعمال کا سب سے بڑا سبب بری صحبت ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو جو غیر صحابہ پر فضیلت ہے وہ صرف اسی بات پر ہے کہ انہوں نے تھوڑی دیر کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے یہاں تک کہ وہ شخص جس نے امیر حمزہ کو قتل کیا (حضرت وحشی رضؓ) جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا، اسلام قبول کیا، توبہ کی اور اس کو دیکھ کر آپ رو دیئے اس سے کہا کہ "یا وحشی هل تستطيع ان تغيب وجهك عني" "وہ ایک کام کر سکتے ہو اپنا چہرہ مجھ سے ذرا چھپائے رکھا کرو" یعنی تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے تو یہ شخص حضرت وحشی رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتا

تھا لیکن چھپ چھپا کے پشت کی طرف سے آتا تھا تاکہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ ہو لیکن صحابی تو تھا، تمام علماء نے بلا اختلاف یہ لکھا ہے کہ یہ صحابی ہے اور مقام کے اعتبار سے اس شخص کا مقام اویس قرنی سے بھی زیادہ ہے کہ وہ غیر صحابی ہیں ایک طرف تو اویس قرنی وہ ہیں جن کے بارے میں آپؐ نے بشارتیں دی ہیں۔ حضرت عمرؓ سے یہ کہا ہے کہ وہ آئے گا اس کی یہ یہ علامات ہوں گی، جب وہ آئے تو اس سے دعا کروانا اور استغفار کروانا، وہ بہت بڑا انسان ہے اور اپنی والدہ کی خدمت میں اس کو ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے اور وہ آیا اور حضرت عمرؓ نے اس سے دعا کروائی۔ لیکن علماء نے یہ بات کھول کے لکھدی ہے کہ اویس قرنی صحابی نہیں ہیں، حضورؐ کی صحبت نہیں اٹھائی ہے ان کا مقام حضرت وحشیؓ سے بھی کم ہے جس کی شکل حضورؐ نہیں دیکھنا چاہتے تھے تو چند گھڑیوں کی مصاحبت کا شریعت میں اتنا مقام ہے کہ حضرت اویس قرنی کی زندگی بھر کی عبادت کے مقابلہ میں حضرت وحشیؓ کی چند گھڑیاں صحبت رسول کی زیادہ وزنی ہیں۔

۳۔ کسبِ حرام

تیسری وجہ جو ہمارے اعمال کو متعین کرتی ہے وہ کسب حلال اور کسب حرام ہے دو طریقوں میں سے ایک طریقہ اور یہ ہمارے اعمال کو متعین کردیتا ہے۔ ترجمہ: "اے اللہ کے نبیو پاکیزہ غذا کھایا کرو اور نیک اعمال کیا کرو" (المومنون ۵۱) یہ دیکھنے میں دو الگ الگ حکم نظر آتے ہیں ایک حکم یہ کہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ حلال چیزیں کھاؤ دوسرا حکم یہ نظر آتا ہے کہ نیک اعمال کرو لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ دو حکم الگ الگ نہیں ہیں بلکہ دوسرا حکم پہلے حکم کا نتیجہ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر پاکیزہ چیزیں کھاؤ گے تو نیک اعمال صادر ہوں گے اور اگر غیر پاکیزہ کھاؤ گے تو پھر معاصی کا صدور ہوگا۔

"کل لحم نبت من السحت فالنار اولیٰ بہ"

ترجمہ: "وہ گوشت جس کی پرورش حرام پر ہوتی ہے اس کا ٹھکانہ تو آگ ہی ہونا چاہیئے" کیوں آگ ہونا چاہیئے کیونکہ اس سے نیک اعمال صادر نہیں ہوں گے۔ اگر پرورش گوشت پوست کی رزقِ حرام پر ہوتی ہے تو متوقع یہ ہے کہ وہ حرام کے اعمال کرے گا اور آگ ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ انسان کے جسم میں خون کے گروپ ہوتے ہیں یہ "گروپ اے" مثبت ہے، یہ اے منفی ہے، یہ کیا ہے صاحب؟ یہ بی مثبت ہے، یہ بی منفی ہے اگر آپ کوشش کریں کہ جس شخص کے جسم میں بی مثبت ہے اس کے جسم میں آپ بی منفی داخل کردیں یا "اے گروپ" داخل کردیں تو فوراً وہ جسم اسے لینے سے (REPULSE) کرے گا۔ بلکہ ایسا ہی انسان کے جسم میں اگر خاص قسم کا رزق آپ داخل کریں اور اس کی پرورش رزقِ حرام سے ہو تو جب اس کے سامنے حلال کے اعمال اور نیک اعمال آئیں گے تو وہ اس سے ابا اور نفرت (REPULSE) کرے گا۔ اس کی سمجھ میں ان نیک اعمال کی خوبی، حکمت یا مصلحت نہیں آئے گی اس کے برعکس اگر ایک انسان کے جسم اس کے اعصاب گوشت اور اس کی ہڈیوں کی غرضیکہ اس کی ایک ایک چیز کی پرورش حلال سے ہوتی ہے تو وہ حلال اعمال یا نیک اعمال کی رغبت کرے گا اور حرام کے اعمال جب اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے یا اس کے سامنے آئیں گے تو وہ ابا (REPULSE) کرے گا، قبول نہیں کرے گا۔ تو رزق حلال بہت بڑا سبب ہے نیک اعمال کا اور رزق حرام بہت بڑا سبب ہے ارتکابِ معاصی کا میں نے خود تجربہ کیا ہے کہ بعض لوگوں کے یہاں جاکر دال روٹی کھائی ہے پتلی دال خشک روٹی اور پتہ چلا کہ تین بجے تہجد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تین بجے کے بعد نیند ہی نہیں آتی اور تہجد بھی ایسی تہجد پڑھی کہ پتہ چلا کہ تہجد ہے اور بعض لوگوں کے یہاں کھانا کھایا ہے اور مزے سے کھایا ہے تو صبح کی نماز بھی گئی۔ تجربہ کرکے دیکھ لیجئے، آپ کو رزقِ حرام کے اثرات اور رزقِ حلال کے اثرات میں خاص فرق نظر آئے گا۔

۴۔ بعض صفاتِ الٰہیہ کا غلط مفہوم

ارتکابِ معاصی کی چوتھی وجہ اللہ تعالے کے بارے میں ہماری کچھ غلط فہمیاں ہیں اللہ تعالے کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے کہ:

ترجمہ: "اے انسان تجھے اللہ تعالے کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا"

اللہ تعالے کی بعض صفات کے بارے میں انسان کو غلط فہمی ہوئی اور وہ دھوکے میں ہے۔ یہ دھوکہ وہ اپنے آپ کو خود دیتا ہے ایک صاحب کثرت سے شراب پیا کرتے، سمجھانے پر

انہوں نے خوب بحث کی، انہوں نے کہا ان اللّٰہ غفور رحیم۔ چھوڑو وہ معاف کرنے والا ہے تم تنگ نظر انسان ہو ان اللّٰہ غفور رحیم اللّٰہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ بات تو ٹھیک کہتے ہو بخشنے والا بھی ہے رحمت والا بھی ہے لیکن اگر اس بات کا ذرا سا تجزیہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ایک بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور وہ اس خیال میں کہ اللّٰہ تعالےٰ غفور اور رحیم ہے، وہ تمام معاصی اور تمام جرائم کا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں اور ایسی گھڑی ان پر نہیں آئی ہے کہ وہ اللّٰہ سے توبہ کر سکیں اور ہر مرتبہ یہی جواب کہ ان اللّٰہ غفور رحیم۔

اللّٰہ تعالےٰ نے انسان کے لیے قوانین بنائے، کچھ طبعی قوانین بنائے، کچھ طبعی قوانین ہیں، کچھ اخلاقی قوانین ہیں مثلاً طبعی قوانین یہ ہیں کہ زمین میں کشش ثقل ہے، زمین ہر چیز کو جو کہ ہوا سے زیادہ بوجھل ہے اپنی طرف کھینچتی ہے طبعی قانون ہے کہ اللّٰہ تعالےٰ نے اشیاء کے اندر کچھ خواص رکھ دیئے مثلاً زہر میں یہ خاصیت رکھدی کہ جو شخص پیئے گا مر جائے گا، یہ ایک طبعی قانون جو اللّٰہ تعالےٰ نے بنا دیا ہے، ایسے ہی اللّٰہ تعالےٰ نے اخلاقی قانون بنا دیئے ہیں، اس عمل کا یہ نتیجہ ہے، اس عمل کا یہ نتیجہ ہے پس ذرا سا فرق ہے کہ بعض قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوری ہوتا ہے، بعض قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوری تو ہوتا ہے مگر فوری طور پر نظر نہیں آتا۔ اثرات اس کے فوراً ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن وہ ذرا سا دور (LONG RANGE) ہوتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ طبعی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوری طور پر ظاہر ہوتا ہے جبکہ اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ فوراً ظاہر نہیں ہوتا، دور رس ہوتا ہے۔ وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ان اللّٰہ غفور رحیم اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ بھائی صاحب ذرا ایک کام کر کے دکھائیے ہمیں، آئیے اس مکان کی پانچویں منزل سے ذرا ایک چھلانگ لگا کر دکھائیے۔ ایک طبعی قانون ہے اللّٰہ تعالےٰ کا بنایا ہوا "قانون کشش ثقل" اس کی ذرا خلاف ورزی کر کے آپ ہمیں دکھائیے۔ وہ تو غفور رحیم ہے وہ تمہیں معاف کر دے گا تمہیں اس کی سزا نہیں دے گا۔ تمہیں یقین ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے ایک دوسرے طبعی قانون کی بھی خلاف ورزی کر کے دکھا دو "ہمیں زہر کے بھی چند گھونٹ پی کر دکھا دو اور اس سے امید رکھو کہ اس کی سزا جو سزائے موت بنتی ہے وہ تمہیں نہیں دے گا معاف کر دے گا۔ یہاں پر تو پتہ چلتا ہے کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ کیا بات ہوئی اسے غفور رحیم میں کہتا رہا لیکن طبعی قانون کی جونہی ہم خلاف ورزی کرتے ہیں زیادہ نہیں اپنا پاؤں بھی پھسلا لیں تو ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔ اونچی چھت سے ایک مرتبہ بھی اپنے آپ کو گرا لیں تو ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں یا سزائے موت ہو جاتی ہے۔ زہر کا آدھا گلاس بھی پی لیں تو نہ اس کی غفوری سامنے آتی ہے نہ رحیمی فوراً سزا دے دیتا ہے وہ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کرو تو غفوریت بھی سامنے آجاتی ہے اور رحیمیت بھی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اخلاقی قوانین بھی اسی کے بنائے ہوتے ہیں طبعی قوانین بھی اسی کے بنائے ہوتے ہیں۔ آخر کیا سبب ہے کہ زہر کھانے پر تو اس کی غفوریت بھی سامنے نہیں آتی۔ رحیمیت بھی کام میں نہیں آتی ہے لیکن شرک کے بارے میں اللّٰہ تعالےٰ کہتا ہے کہ جو شخص شرک کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس نے اپنے آپ کو آسمان سے گرا دیا اور اس کو پرندے نوچ لیں" اس کے پرزے اڑ جائیں اور ہوا میں بکھر جائیں۔ شرک کرنا ایسا ہے چھت سے گراتے ہوئے اپنے آپ سے ڈرتے ہو اور آسمان سے اپنے آپ کو گراتے ہوئے نہیں ڈرتے۔ یہاں پر تو اللّٰہ تعالےٰ کو غفور رحیم مان لیتے ہو وہاں پر کیوں نہیں مانتے؟ وہاں بھی مانو تا، گرا دو نا اپنے آپ کو چھت سے۔ زہر نہیں پیتے ہو اور کہہ دیتے ہو غفور رحیم ہے۔ اب ذرا غور اس پر کیجئے کہ غفور رحیم کا مطلب کیا ہے اور غلط فہمی ہمیں کہاں ہو گئی؟ دیکھئے قرآن مجید بہت کھلے انداز میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ میں کہتا ہے۔

ترجمہ:۔ میں بہت بخشنے والا ہوں مبالغے کا صیغہ ہے بہت ہی بخشنے والا "لمن" لیکن کسے؟ میری مغفرت کا دور کب شروع ہوتا ہے اور کس کے لیے ہوتا ہے؟ "لِمَن تَابَ" جس نے توبہ کر لی "وَآمَنَ" اور اپنے ایمان کو پکا کر لیا "وَعَمِلَ صَالِحًا" اور نیک اعمال میں لگ گیا، "ثُمَّ اهْتَدٰى" اور ہدایت یافتہ ہو گا۔ اب اس کا

پچھلا سارا کا سارا ریکارڈ اٹھا کر دریا برد کر دیں گے خواہ اس میں بڑے سے بڑے جرائم کیوں نہ موجود ہوں۔ جب اس نے اپنے آپ کو شیطان کے کیمپ سے نکال خدا کے کیمپ میں داخل کر لیا، توبہ کر لی، ایمان کی حالت میں آ گیا، نیک اعمال شروع کر لیے، ہدایت یافتہ ہو گیا، اب میں اس کے لیے بہت بخشنے والا ہوں۔ ایک نہیں بیسیوں آیات ہیں اسی موضوع پر کہ مغفرت اور رحمت اس کی ان لوگوں کے لیے ہے۔ یہ انسان کی بہت بڑی بھول ہے کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے بارے میں دھوکے میں ڈال لیتا ہے اس کی نافرمانی بھی کرتا چلا جاتا ہے، اس کے خلاف بغاوت بھی کرتا ہے اور پھر اس کی مغفرت اور رحمت کی امید بھی رکھتا ہے۔

۵۔ خود فراموشی

پانچواں سبب یہ ہے کہ انسان اپنی منزلت بھول جاتا ہے۔ انسان کا منصب کیا ہے؟ اشرف المخلوق ہے۔

ترجمہ: "ہم نے انسان کو بہترین مخلوق کے طور پر پیدا کیا (التین: ۴)

ترجمہ: "ہم نے بنی آدم کو بہت عزت بخشی ہے، ہم انہیں اٹھاتے پھرتے ہیں خشکی میں بھی تری میں بھی، پاکیزہ چیزیں بھی دیتے ہیں انہیں کہ کھائیں اور ان سے لطف اٹھائیں اور زندگی بسر کریں اور ہماری اطاعت کریں" (بنی اسرائیل: ۷۰)

ترجمہ: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (البقرۃ: ۳۰)

ترجمہ: "ہم نے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔" (الجاثیہ: ۱۳)

کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کر رہی ہے اور انسان کسی کی خدمت نہیں کر رہا۔ اگر سورج نہ ہو تو انسان کا حرج ہوتا ہے، ہوا نہ ہو تو انسان کا نقصان ہے، پانی نہ ہو تو انسان کا نقصان ہے حتیٰ کہ اگر گھاس کا تنکا بھی نہ ہو تو انسان کا نقصان ہوتا ہے۔ کائنات کی کسی چیز پر انگلی رکھ کر دیکھ لیجئے بظاہر قیمتی یا غیر قیمتی چیز ہو اگر وہ اس کائنات سے غائب کر دی جائے تو ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی حرج ہو گا۔ اس لیے کہ وہ انسان کی خدمت کر رہی ہے اور اگر خود انسان ہی اس کائنات میں نہ ہو تو کسی چیز کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ کچھ نہیں بگڑتا سب اپنی جگہ پر ویسے ہی رہیں گے اس لیے کہ انسان کسی خدمت نہیں کر رہا، سب چیزیں انسان کی خدمت کر رہی ہیں یہ انسان کا منزلت ہے۔ اس کا منصب ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔ اب خلیفۃ اللہ کا کیا کام ہے؟ انسان خدا کا گورنر ہے اس کا وائسرائے ہے۔ سیدھی سیدھی بات ہے اس کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو جو احکام دیئے ہیں ان کو نافذ کرے اپنی ذات پر نافذ کرے، ان لوگوں پر نافذ کرے جو اس کے زیر اثر ہیں یہ سیدھا سیدھا کام ہے لیکن انسان جب اس منزلت کو بھول جاتا ہے تو اس کی حیثیت بڑی ہی مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔

آپ بیٹھے ہوئے ہیں عدالت کی کرسی پر متمکن رہے ہیں۔ خدا نہ کرے بیٹھے بیٹھے آپ بھول جاتے ہیں کہ آپ جج ہیں اپنے منصب کو ہی بھول جاتے ہیں، یاد نہیں رہتا کہ آپ یہاں کس لیے بیٹھے ہوئے ہیں، کتنی مضحکہ خیز صورت ہو گی؟ پورا کورٹ آپ کے سامنے بھرا ہوا ہے لوگ آپ کے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے ایک طرف مجرم کھڑے ہیں ایک طرف وکیل کھڑے ہوئے ہیں، بحث ہو رہی ہے اور آپ کو یہ پتہ نہیں کہ آپ کیا ہیں اور آپ یہاں کس لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ مجرم ہیں وکیل ہیں یا آپ بھی تماشائی ہیں؟ اور آپ کو کیا کرنا چاہیئے کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ بالکل یہی صورتحال انسان کی ہو جاتی ہیں جب وہ اپنے منصب کو بھول جاتا ہے کہ اس کو کیوں پیدا کیا گیا اس کا اصل اور بنیادی کام کیا ہے؟ اور چند سالوں یا چند گھڑیوں کی جو اس کو مہلت دی گئی ہے کس لیے دی گئی ہے اور اس کو اپنے ساتھ آخر کیا لے کر جانا ہے؟ یہی بات قرآن مجید کہتا ہے کہ یعنی جب اپنا منصب بھول جاتا ہے تو بالکل بچوں میں بچ ہو جاتا ہے اور ایسا کیوں ہوتا ہے انسان اپنا منصب کیوں بھول جاتا ہے؟ یہ ایک بہت اہم بات ہے اس پر غور کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالےٰ کو اپنے مالک حقیقی کو جس نے کہ اس کو یہ منصب عطا کیا وہ یاد رکھتا ہے تو اس کو اپنا منصب یاد رہتا ہے اور جب وہ اس کو بھول جاتا ہے تو اس کا اس کا منصب بھلا دیا جاتا ہے۔

۶۔ غلبۂ بہیمیت

غلبۂ نفس الامّارہ۔ انسان کی شخصیت میں کچھ ملکات ہیں۔ انسان کے

> جن حضرات کو خداوند عالم اپنے انوار و تجلیات اور برکات نصیب فرماتے ہیں یہ قوت و استعداد رکھتے ہیں کہ دوسرے قلوب کو منور کرسکیں وہی جائے امن ہو جاتے ہیں۔ مشائخ عظام ہمیشہ ایسے ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ تجلیات ذاتی جو بیت اللہ شریف پر وارد ہوتی ہے ان سے کہیں قریب تر تجلیات اہل اللہ کے قلوب پر وارد ہوتی ہیں۔
>
> (حضرت مولانا محمد اکرم)

اندر بہیمیت پائی جاتی ہے۔ یعنی جانوروں کی سی صفات، اس کو کھانے پینے کی طلب ہوتی ہے، اس کو زوجہ کی طلب ہوتی ہے، یہ حیوانی صفات ہیں ہر انسان میں پائی جاتی ہیں جیسے درندہ پھاڑ کھاتا ہے دوسروں کو۔ انسان کو جب غصہ آتا ہے تو حدود کی قید کئے بغیر وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو پھاڑ کھائے انسان میں ملکیت بھی پائی جاتی ہے یعنی فرشتوں کی سی صفات! فرشتوں کی صفات کیا ہیں؟ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں صرف اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی کوئی حاجت نہیں ہے دوسروں کی خدمت گزاری کرتے۔ اطاعت ہی اطاعت، محبت ہی محبت۔ یہ فرشتوں کی صفات ہیں یہ بھی انسان میں پائی جاتی ہیں۔ اب یہ پہلی دو صفات جو ہیں وہ مل کر نفس الامارہ بنتی ہیں جو انسان کو برائی پر ابھارتی ہیں ملکیت کی صفت نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ بنتی ہے وہ نفس جو انسان کو اطمینان، سکون اور راحت دیتا ہے اللہ سے قریب تر کردیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان تینوں صفات میں توازن کس طرح قائم رکھتا ہے۔ ملکیت کتنی رہتی ہے، سبعیت اور بہیمیت کتنی رہتی ہے اگر خدانخواستہ اس کے اندر سبعیت اور بہیمیت بڑھ جائے۔ درندگی اور حیوانیت بڑھ جائے تو نفس امارہ اس پر حاکم ہوگا اور ملکیت بڑھ جائے تو عقل، اطاعت اور شعور کا اس پر غلبہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اور دوسروں کی خدمت کرے گا اس اعتبار سے آپ دیکھیں دنیا میں انسان کی کئی قسمیں بن جاتی ہیں ایک تو وہ انسان ہے جو درجۂ انسانیت پر فائز ہے اس میں ملکیت ہے۔ اپنی ضروریات قربان کر دیتا ہے اور دوسروں کے لیے قربانی دے دیتے ہیں خواہ ان کی اپنی ضرورت سخت سے سخت ہو لیکن دوسرے کے لیے قربانی کر دیتے ہیں یہ درجہ انسانیت ہے دوسرا درجہ حیوانیت کا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کی کوئی پرواہ نہیں اپنی ضرورت مقدم ہے اور وہی ہے۔ جیسے کہ حیوان بھوک لگتی ہے تو وہ خود کھاتا ہے۔ پیاس لگتی ہے خود پیتا ہے دوسروں کی کوئی حاجت اس کو نہیں ہے۔ تیسری قسم کا انسان وہ بھی ہے کہ اس کی اپنی حاجت اس وقت تک پوری نہیں ہوتی ہے جب تک وہ دوسرے کا پیٹ نہ پھاڑے۔ قربانی کرنا تو بہت دور کی بات رہ گئی۔ سبعیت اس پر غالب ہے یہ چور، ڈاکو اور مجرم تیسری صفت میں آتے ہیں۔ ایک چوتھی قسم بھی ہے جو اس سے نیچے یا وہ خطرناک ہے کہ حاجت ہو یا نہ ہو ضرورت ہو یا نہ ہو دوسرے کو نقصان ضرور پہنچانا ہے خواہ تفنن طبع کے لیے ہی۔ ایک آدمی سویا ہوا ہے سانپ گزرا اس نے ڈس لیا۔ ایک آدمی آرام سے پڑا ہوا ہے بچھو آیا اور اس نے ڈس لیا ہے اس کو۔ بچھو کو ڈسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سانپ کو ڈسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس سے کوئی خوراک اس کی پوری نہیں ہوئی لیکن تفنن طبع کے لیے یا اپنے خبث باطن کی وجہ سے دوسرے کو ڈس لیا۔ درندہ تو اس لیے کھاتا ہے کہ اس سے اس کا پیٹ بھرتا ہے نہ کھائے تو مر جائے اس کی تو ضرورت ہے۔ سانپ اس لیے ڈستا ہے کہ ڈسنے کی اس کو ذرا لذت آتی ہے۔ تفنن طبع کے لیے دوسرے کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ انہی صفات کی وجہ سے انسان میں سبعیت، بہیمیت اور ملکیت ہوتی ہے۔ اب انسان کو یہ دیکھنا ہے کہ سبعیت اس میں بڑھ رہی ہے، ملکیت اس میں بڑھ رہی ہے یا حیوانیت اس میں بڑھ رہی ہے اس توازن کو قائم رکھنا انسان کا کام ہے اگر خدانخواستہ سبعیت اور بہیمیت بڑھ جائے تو یہ نفس امارہ کا غلبہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شریعت روزے فرض کرتی ہے روزے فرض کرنے سے سبعیت اور

بہیمیت کا زور ٹوٹتا ہے۔ ملکیت ابھرتی ہے روزے کی اصل مصلحت جو ہے وہ یہ ہے "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" تاکہ تم میں ملکیت ابھرے اور تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس موقع پر ایک اور شخصیت سامنے آتی ہے ایک تو انسان کی داخلی شخصیت ہے یہ ہے نفس امارہ۔ ایک خارجی دشمن بھی سامنے آتا ہے۔ جس کی قرآن شہادت دیتا ہے کہ "شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے" نفس امارہ پوشیدہ دشمن ہے۔ داخلی دشمن ہے اور شیطان خارجی دشمن ہے اس میں شک نہیں کہ نفسِ امارہ شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔"

بلکہ بعض فقہا نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ خود شیطان کو بھی جس چیز نے بہکایا وہ بھی اس کا نفسِ امارہ تھا۔ نفسِ امارہ بذاتِ خود شیطان سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "ان الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم اذا ذکر خنس واذا غفل وسوس"،

ترجمہ:۔ شیطان جو ہے انسان کے دل پر دھرنا مار کر بیٹھا رہتا ہے انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ دبک جاتا ہے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہو جاتا ہے تو پھر آتا ہے اور پھر وسوسے ڈالتا ہے اس کے دل میں"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔

"الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم"

ترجمہ:۔ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے" باہر سے آتا ہے لیکن انسان کے جسم میں یوں حلول کر جاتا ہے کہ اس کے خون کے ساتھ گردش کرتا ہے تو یہ دو دشمن ہیں انسان کے ایک اس کا اپنا نفسِ امارہ جس کو وہ خود پرورش دیتا ہے اپنے اندر سبعیت اور بہیمیت کو ابھار کر، اور ایک باہر کا دشمن شیطان جو غفلت میں آتا ہے اور انسان پر حملہ کرتا ہے یہ دو دشمن انسان کو ارتکاب معاصی پر ابھارتے ہیں علاج کیا ہے۔

بنیادی علاج

اصل علاج ازالہ اسباب ہے۔ ان کا ازالہ ممکن ہے ان کا ازالہ کر دیا جائے تو خود بخود اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور ارتکاب معاصی سے بچا لیتے ہیں سب سے پہلے اللہ کے ذکر پر ہمیشگی ہو۔ ہر وقت اللہ کی یاد رہے تاکہ اللہ تعالیٰ نہ بھولیں اور اپنا آپ نہ بھلوائیں، اپنی منزلت اور اپنا منصب جو ہے انسان نہ بھولے۔ یہاں پر اشارۃً

کسی مجوسی (آگ کے پجاری) نے حضرت امام ابوحنیفہ کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک ظالم مجوسی نے کہا کہ میرا قلم بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا" میں ہرگز نہیں بنا سکتا اور جب اس نے قلم نہ بنانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محشر میں فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ظالموں کو ان کے معاونین کے ہمراہ اٹھاؤ لہٰذا میں ایک ظالم کا معاون نہیں بن سکتا۔

میں یہ بھی عرض کر دوں کہ بہت سی آیات اور احادیث ذکر اللہ کے بارے میں آئی ہیں جو شخص ذکر کثرت سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے، سکینت نازل ہوتی ہے فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، اس کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لایا جاتا ہے۔

سورۃ احزاب میں ہے۔ "ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" اللہ تو وہ ذات ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں کس لیے؟ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ، تاکہ تمہیں ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کر دے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص پر اپنی صلوٰۃ بھیجتا ہے، اس صلوٰۃ کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کر دیتا ہے یعنی بد اعمالی سے نکال کر نیک اعمال کی طرف داخل کر دیتا ہے۔

ذکر اللہ کی مختلف صورتیں ہیں جیسے قرآن شریف کا مطالعہ ہے، حدیث شریف کا مطالعہ ہے یہ سب ذکر میں آتا ہے۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے انسان اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنا منصب اور اپنی منزلت فراموش نہیں ہوتی اور وہ اپنی خودی کو نہیں بھولتا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انسان علماء اور صالحین کی صحبت اختیار کرے۔

تیسری چیز وہی ہے کہ کسب حلال اختیار کرے اور اہم بات یہ ہے کہ دین کا علم جتنا اس کے بس میں ہو وہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں وہ دھوکے میں نہ پڑے۔

خودفریبی

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

مسلمان کے پاس ایک بہت بڑی امید کہہ لیجیے ایک بہت بڑی دلیل کہہ لیجیے ایک بہت بڑا آسرا کہہ لیجیے، یہ ہے کہ اگرچہ ہم اچھے نہیں ہیں۔ ہمارے اعمال اچھے نہیں ہیں، ہم سے وہ کچھ نہیں ہورہا جو ہم کو کرنا چاہیئے لیکن اس سب کے باوجود ہم پر اللہ کریم کا احسان ہے کہ ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں اور ہمارا تعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ہے۔ ایمان کا تعلق ایک ایسا رشتہ ہے جو تمام خونی رشتوں سے مضبوط ہوتا ہے۔ یہ بجائے خود اتنی بڑی سعادت ہے کہ ہماری نجات کے لیے ہماری کامیابی کے لیے ہماری دنیوی اخروی کامیابیوں کے لیے یہ بہت ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ واقعی ایسا ہونا چاہیئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی کچھ خصوصیات ہیں۔ جن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے جو قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ -

جو لوگ آپ سے بیعت ہوتے ہیں اگرچہ وہ آپ کے دست مبارک میں ہاتھ دیتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے اپنا ہاتھ اللہ کے دست قدرت میں دے دیا اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا دست قدرت ہے یہ محض ثواب کی بات نہیں ہے نتائج کو اگر دیکھا جائے تو جس آدمی کے ہاتھ میں اللہ کریم کا دست قدرت ہو، ظاہر ہے کہ اس ہاتھ اور دوسرے عام آدمی کے ہاتھ میں بڑا فاصلہ ہونا چاہیئے جو کام وہ کر سکتا ہے وہ دوسرے عام آدمی نہیں کر سکتے۔

صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں میں چند نفوس قدسیہ جزیرۃ العرب کے صحراؤں سے اٹھتے ہیں کفر کی بڑی بڑی سلطنتیں ان کا راستہ نہیں روک سکیں۔ بڑی بڑی طاقتیں سرنگوں ہو جاتی ہیں بڑی بڑی سلطنتیں صفحہ ہستی سے اکھڑ جاتی ہیں کوئی پہاڑ ان کے راستے کی دیوار نہیں بنتا ان کے قدم محض انسانی قدم نہیں ہیں ان کے ساتھ اللہ کی تائید بھی ہے ان کی نگاہ محض انسانی نگاہ نہیں ہے جب وہ تلوار چلاتے ہیں تو ان کے پیچھے صرف انسانی ہاتھ نہیں ہوتا کیونکہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا دست قدرت بھی ہوتا ہے۔

آج ہم اس امید پر جیتے ہیں یا جو توقع کرتے ہیں جو ہمارا آسرا ہے وہ بالکل وہی ہے کہ وہ بھی مسلمان تھے ہم بھی مسلمان ہیں، اگر ان پر اللہ کریم نے دنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے تھے تو ہم پر بھی کھل جائیں اور اگر ان کے لیے آخرت کی ضمانت دے دی تھی، بشارت دے دی تھی تو ہمیں بھی آخرت کی ضمانت ملنی چاہیئے۔ بشارت ملنی چاہیئے۔ بات تو درست ہے کیونکہ ان کے لیے بھی وہی اللہ ہے ان کے پاس بھی وہی رسول تھا صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے پاس بھی وہی رسول ہے کوئی نئی نبوت نہیں ہے ان کے لیے بھی یہی کتاب تھی ہمارے پاس بھی یہی کتاب ہے فرائض سنن واجبات سب کچھ وہی ہیں عبادات وہی ہیں ذکر اذکار وہی ہیں تو پھر نتائج مختلف کیوں ہیں۔ یعنی بڑی عجیب بات ہے اس زمانے میں اگر چند مسلمان کسی براعظم میں پہنچے تو وہ براعظم اسلام سے آشنا ہو گیا اور اب ایک چھوٹا سا ملک برطانیہ جو ایک جزیرہ ہے موٹر پر آدمی بیٹھ جائے تو ایک دن کا سفر

نہیں بنتا ایک دن سے کم کا سفر ہے ایک سرے سے نکلو تو عصر سے پہلے دوسرے سرے پر پہنچ جائیں گے ایک سرے پہ لندن ہے۔ لندن سے سویرے موٹر پہ نکلیں اور شمالی سرے کے سمندر پر آپ عصر سے پہلے نکل جائیں گے۔ اتنے چھوٹے سے ملک میں بائیس لاکھ مسلمان ہیں اور وہ مسلمان کلی کافرول میں مدغم ہو رہے ہیں ان پہ کفر کا رنگ چڑھ رہا ہے ان سے متاثر ہو کر کوئی کافر مسلمان نہیں ہو رہا بلکہ وہ بائیس لاکھ مسلمان کفر میں غرق ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں یہ معاملہ بالکل الٹ کیوں گیا۔

اس آیت کریمہ میں اسی بات کا تجزیہ فرمایا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان ہوتا ہے نبی کی تصدیق اور ایمان نہ لانے کو قرآن کی اصطلاح میں تکذیب کہتے ہیں انکار کر دینا یا کہہ دینا کہ آپ نے جو کہا ہے یہ غلط ہے ہم نہیں مانتے تکذیب اور تصدیق کے دو درجے ہیں۔

ایک درجہ ہے کہ آدمی اعلان کر دیتا ہے کہ میں آپ کی بات نہیں مانتا آپ جو کہہ رہے ہیں مجھے یہ منظور نہیں ہے مثلاً آپ کسی آدمی سے کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر جائیں وہ کہتا ہے میں آپ کی بات نہیں مانتا آپ جمعہ پڑھیں میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ اس نے انکار کر دیا اب آپ دوسرے آدمی سے کہتے ہیں آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر جائیں وہ کہتا ہے ٹھیک ہے نماز پڑھ کر جائیں گے اچھی بات ہے۔ لیکن وہ پہلا بھی چلا جاتا ہے دوسرا بھی چلا جاتا ہے نماز آپ اکیلے ہی پڑھتے ہیں تو آپ کا تاثر کیا ہو گا کیا دوسرے سے پوچھ نہ ہو گی۔ دوسرے نے تکذیب تو نہیں کی۔ آپ کا انکار نہیں کیا۔ یعنی پہلے نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ دوسرے نے انکار زبانی تو نہیں کیا لیکن عملاً اس نے بھی انکار کر دیا بلکہ آپ کو زیادہ دھوکا دیا آپ کہہ دیں گے اگر تمہیں نہیں رکنا تھا تو تم بھی اسی کی طرح کہہ دیتے کہ میں نہیں رکوں گا تم نے یہ دھوکا کیوں دیا کہہ دیا کہ میں نماز پڑھوں گا لیکن پڑھے بغیر چلے گئے۔

یہی حال ہوتا ہے انبیاء کے ساتھ تعلقات کا۔ ایک شخص کہہ دیتا ہے کہ جناب آپ جو دعویٰ کر رہے ہیں یا جو حکم دے رہے ہیں یا جس کام سے روک رہے ہیں میں آپ کی بات نہیں مانتا آپ کی دعوت قبول نہیں کرتا جس کام سے آپ روک رہے ہیں اس سے نہیں رکتا۔ اسے تو ہم کہتے ہیں کھلا کافر اس نے تکذیب کر دی لیکن دوسرا کہتا ہے حضور آپ نے جو فرمایا صحیح ہے آپ نے جو حکم دیا ٹھیک ہے لیکن اس کام سے رکتا بھی نہیں جس کام سے نبی نے روک دیا ہو اور جو کام نبی نے کرنے کا حکم دیا وہ کام کرتا ہی نہیں۔ تو کیا اس سے نبی خوش ہو گا۔ نبی کا دل راضی ہو گا یہ ہے عملی تکذیب۔

تکذیب کے دو طریقے ہیں جو زبانی تکذیب کرتا ہے سیدھا کافر ہے اور جو زبانی اقرار کرتا ہے انکار نہیں کرتا لیکن اپنے عمل سے انکار کرتا ہے اسے ہم کافر نہیں کہہ سکتے مگر شاید مسلمان بھی ہے یا نہیں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چونکہ نبی کو شاید اس نے زیادہ ایذا دی کہہ دیا حضور آپ نے درست فرمایا آپ جو فرماتے ہیں بجا فرماتے ہیں نماز پنجگانہ فرض ہے ضرور پڑھنی چاہیئے لیکن پڑھتا نہیں۔ کہتا ہے آپ نے بجا فرمایا حلال کھانا چاہیئے لیکن حرام کھا لیتا ہے نبی کے سامنے کہتا ہے جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے اور عدالت میں ساری عمر جھوٹ بول رہا ہے کوئی پھانسی پہ چڑھ جائے اس کی بلا سے۔ دوستی پالتا ہے وہاں تک جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا۔ چوری کرتا ہے بدکاری کرتا ہے ڈاکہ کرتا ہے ہر برائی کر لیتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ امام مجھے وہی ملنا چاہیئے جو صحابہ کو ملتا تھا اس لیے کہ میں زبانی تو کہتا ہوں کہ نبی پاک نے صحیح کہا تو آپ خود انصاف کریں کہ کیا یہ مطالبہ درست ہے۔ بنیادی طور پر یہ امید رکھنا حماقت ہے کیونکہ ایذا اسے رسول نے وہ مسلمان جس نے عملی زندگی چھوڑ دی اس میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں تھی نبی کا رحمت اور بات ہے نبی کی شفقت اور بات ہے نبی کا درگزر فرمانا نبی کا معاف کر دینا یہ تو نبی کی شفقت ہے نبی کی بخشش ہے آپ اس کی بات نہ کریں میں حضور کی بات نہیں کر رہا۔ میں اپنا محاسبہ کر رہا ہوں۔

کہ جب ہم کام کے لیے نکلتے ہیں جب ہم باہر نکلتے ہیں جب ہماری طرف سے عمل ہوتا ہے تو کیا ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ میں نے اللہ سے اللہ کے رسول سے اپنے مسلمان ہونے کا وعدہ کیا ہے یہ کام جو میں کرنے چلا ہوں کیا اس کی مجھے اللہ

نے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اور اگر نہیں دی تو بھی میں کروں گا۔ یہی ہوگا کہ نبی پاک سے کہا جائے گا کہ جی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں آپ کی مانوں گا لیکن مانی نہ جائے تو یہ ماننا کیا ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب نہیں بنے گا۔

اور اللہ کریم فرماتے ہیں۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ ہم جب آپس میں بات کرتے ہیں تو کسی عزیز کو، اپنے کسی ایسے قریبی کو کسی بچے کو کسی کے مقابلے میں تاثر دینا چاہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں وہ کتنا بہادر ہے ہم اس سے نبٹ لیں گے۔ اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں تم فکر نہیں کرو مجھے علم ہے وہ کتنے پانی میں ہے یا وہ کیا کچھ کرسکتا ہے وہ ہمارے درمیان ہے ہم اسے نبٹ لیں گے یہی انداز یہاں رب العالمین نے اختیار فرمایا۔ تشفی فرماتے ہوئے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ میرے حبیب میں جانتا ہوں جو جو آپ کے دل کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

فرمایا میں جانتا ہوں میرے حبیب کہ ان کی باتیں تیرا دل دکھاتی ہیں مجھے خبر ہے بے خبر نہیں حالانکہ اللہ تو ہر چیز کو جانتے ہیں ہر وقت جانتے ہیں ہر کام سے واقف ہیں جو ہوچکا وہ جانتے ہیں جو ہو رہا ہے وہ جانتے ہیں جو آئندہ ہونے والا ہے وہ جانتے ہیں ذات باری کا علم حضوری ہے حصولی نہیں ہے انسان کا علم حصولی ہے یعنی حاصل کیا جاتا ہے اللہ کا علم حضوری ہے کچھ واقعہ ہوا ہے یا کہیں ہوچکا ہے ہو رہا ہے آئندہ ہوگا۔ اللہ کے علم میں، اللہ کے حضور میں سب کچھ حاضر ہے موجود ہے وہاں ماضی مستقبل یا حال میں ہر چیز حاضر ہے۔

اس کے باوجود یہ ارشاد فرمانا کہ میرے حبیب میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے دل کو دکھاتے ہیں اس کا دوسرا معنی یہی ہوگا تاکہ رب العالمین فرما رہے ہیں کہ ان سے میں نپٹوں گا۔

یعنی کردار ہمارا یہ ہو کہ اس سے ایذا ہو قلب اطہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اس پہ یہ وعید مرتب ہوتی ہو کہ اللہ فرماتے ہیں انہیں دیکھ لوں گا کہ یہ کتنے پانی میں ہیں اور ہم امید رکھیں کہ ہم دنیا کو فتح کرلیں گے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں میرے حبیب یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ میری باتوں کو جھٹلاتے ہیں جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں آپ جو حکم دیتے ہیں آپ اپنی طرف سے تھوڑا ہی دیتے ہیں آپ جس بات سے روکتے ہیں آپ اپنی طرف سے تھوڑا ہی روکتے ہیں اور اللہ کی ایسی شان ہے کہ ایک آدمی جو بچپن میں جنگل میں پیدا ہوا اور ساری عمر مویشی اور بکریاں چراتا رہا اچھائی اور برائی اتنی واضح ہے اسے بھی پتہ ہے کہ یہ کام اچھا ہے یہ برا ہے نیکی اور بدی میں اتنا فاصلہ ہے جتنا رات اور دن میں ہے۔ کسی پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی کی بات رہنے دیں کسی ایسے آدمی سے جاکر پوچھ لیں ایسے آدمی سے بات کریں جو جنگل میں ساری عمر رہا ہو ہمیشہ بکریاں چراتا رہا ہو۔ ہمیشہ مویشی چراتا رہا ہے وہ بھی آپ کو یہ بتا سکے گا کہ یہ کام اچھا ہے یہ برا ہے اچھائی اور برائی میں اتنا فاصلہ ہے یعنی انسان فطرۃً اور طبعاً اچھائی کو اچھائی سمجھتا ہے برائی کو برائی سمجھتا ہے اور اتنی سمجھ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی شامل ہو اللہ کا حکم بھی شامل ہو اور اس سب کو چھوڑ کر پھر برائی کا اقرار کرے اور اس برائی کے نتیجے میں انعام کی امید رکھے کیا یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا نہیں؟ یعنی یہ وہ فریب ہے جو ہم اپنے آپ کے ساتھ کرتے ہیں یہ بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی زہر کھانا شروع کردے اور یہ سمجھے کہ اس سے میری عمر بڑھ جائے گی حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ زہر کھانے سے میں مرجاؤنگا

تو پھر جو امید ہمیں شفاعت کی ہے جو امید آپ کی رحمت کی ہے جو امید اللہ کی مغفرت کی ہے وہ کس بات پر ہے یہ بڑی معقول بات ہے رحمت و مغفرت ہمارے لیے اس کے مستحق ہم اس وقت ہیں جب ہم دل سے اطاعت کرنا چاہتے ہیں جب ہم محنت اطاعت کے لیے کرتے ہیں لیکن انسانی کمزوریوں کی وجہ سے اس کی اطاعت نہیں کرسکتے کبھی اطاعت کرتے ہیں تو اس کا پورا حق ادا نہیں کرپاتے کبھی ہم سے خطا ہو جاتی ہے گناہ ہو جاتا ہے پھر ہم شرمندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں پھر ہم اللہ سے معافی طلب کرتے ہیں ان سب کاموں کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی ہے اللہ کی بخشش بھی ہے

یہی قید قرآن حکیم میں اللہ کریم نے لگائی ہے ایمان کا فائدہ یہ ہے مومن اگر برائی کرے تو برائی کو پیشہ نہیں بناتا کہ ساری زندگی برائی ہی کرتا چلا جائے وہ برائی کو چھوڑ دیتا ہے توبہ کرتا ہے نیکی کی طرف پلٹ آتا ہے۔

گناہ کے تین چار اثر ہوتے ہیں ایک تو یہ ہوا کہ ہر گناہ سے معاشرے میں کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے جو کچھ میرا حق تھا میں لے لوں یہ گناہ تو نہ ہوا۔ جب بھی میں گناہ کروں گا یقیناً وہ کچھ حاصل کروں گا جو میرا حق نہیں بنتا کسی دوسرے کی حق تلفی ہوگی۔ ہر گناہ پہ ایک ظلمت پیدا ہوتی ہے جو معاشرے میں پھیلتی ہے جس طرح آپ ایک دیاسلائی جلائیں تو جلتی تو وہ ایک تیلی ہے لیکن روشنی اس سے تقریباً سارے کمرے میں پھیل جاتی ہے آپ دو تیلیاں جلادیں آپ دس تیلیاں جلادیں تو جتنی تیلیاں یا موم بتیاں بڑھتی جاتی ہیں روشنی بڑھتی جاتی ہے یہی حساب نیکیوں کا ہوتا ہے۔ ایک آدمی نیکی کرتا ہے دو کرتے ہیں یا ایک آدمی دس کرتا ہے تو حسن امرتب ہوتی چلی جاتی ہے جس قابل وہ ہوتا ہے اس کے زیر سایہ رہنے والے لوگ اس کے خاندان والے اس کے متعلقین جس معاشرے کے وہ ماحول میں رہتا ہے وہ ماحول صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

اس طرح اگر وہ برائی کو پھیلاتا ہے تو وہاں جو تاریکی پھیلتی ہے وہ اس ماحول کو بھی متاثر کرتی ہے یہ دوسرا اثر ہوتا ہے برائی کا۔ ایک تو حق تلفی ہوگی دوسرے کی۔ دوسرا اس برائی نے اس ماحول کو تاریک کرنا شروع کیا اور تیسرا اور خطرناک اثر یہ ہوا کہ ہر گناہ نافرمانی ہوتی ہے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی اور ہر نافرمانی حضور کے قلب اطہر کو ایذا پہنچاتی ہے اور چوتھی بات اللہ نے بتائی کہ یہ صرف آپ کو ایذا نہیں پہنچاتے بلکہ میرے حکم کی تضحیک کرتے ہیں میری بات کا مذاق اڑاتے ہیں میرے حکم کو چھوڑ دیتے ہیں اور اتنا کچھ کرنے کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم نے زبانی انکار تو نہیں کیا لیکن تم نے کسر بھی تو کوئی نہیں چھوڑی۔ اللہ کریم زبانی انکار سے پناہ میں رکھے اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اللہ کریم عملی انکار سے بھی محفوظ فرمائے۔

عمل ہمیشہ قول سے زیادہ موثر ہوتا ہے ایک آدمی زبان سے اقرار نہ کرے لیکن عملاً وہ کھانا کھائے تو زندہ رہ سکتا ہے ایک آدمی عملاً کھانا نہ کھائے لیکن زبان سے کہتا رہے میں نے کھا لیا وہ زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ اثر ہمیشہ عمل کا ہوتا ہے نتیجہ جب سامنے آتا ہے تو عمل پہ آتا ہے۔ ہمارے جو اعمال ہیں نتائج ہمیشہ اعمال پر ہوں گے آپ دیکھ لیں جہاں جہاں تک ہم ہیں کہیں امن نہیں ملتا کہیں سکون نہیں ملتا کتنی عجیب بات ہے کہ مساجد میں ایک دوسرے کی داڑھیاں نوچ رہے ہیں ایک دوسرے پہ کیچڑ اچھالا جا رہا ہے ایک دوسرے پہ کفر کے فتوے ہیں عجیب بات ہے وہ مسلمان جہاں پہنچے کافروں کو مسلمان کر دیا اور ان مسلمانوں نے مسلمانوں کو کافر بنانا شروع کیا ہوا ہے جو شخص یہاں جمعہ پڑھنے نہیں آتا اس کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنے جاتا ہے ایک آدمی کسی ایک ہی جگہ جائے گا یہاں آیا ہے تو دوسری جگہ نہیں جائے گا جو کسی اور مسجد میں گیا ہے ظاہر ہے یہاں نہیں آئے گا اگر غریب غلطی کر ہی بیٹھا ہے تو اس پہ کفر کا فتویٰ صادر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لوگوں کی قوت برداشت بالکل جواب دے گئی ہے ہر آدمی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہا ہے ہر مسجد کا الگ اسلام بنا رہا ہے۔ ہر گاؤں میں ہر شہر میں ہر قریے میں دس دس پانچ پانچ چار چار آدمی تقسیم در تقسیم ہوتے چلے جا رہے ہیں کوئی روکتا نہیں ہے جو ان سے کہہ سکے سارے مل کر ایک دروازے پہ آجاؤ وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلوص کے ساتھ صدق دل کے ساتھ ایک دوسرے کو برداشت کرو۔

اللہ کریم فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ..... وَأُوذُوا

یہ قانون ہے انسان جب اپنی من مانی کرنا چاہتا ہے تو اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ۔ کیونکہ نبوت کی دعوت ہی یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم مان کر چلو۔ دوسری طرف انسان کا نفس یا شیطان اسے کہتا ہے کہ تو اپنی منوا کر چل۔ ٹکراؤ ہی ان دو باتوں میں ہوتا ہے اسلام ہے اللہ کی بات مان لینے کا نام، کفر ہے اس کا انکار کر دینے کا نام تو۔ فرمایا۔ ہر نبی کے ساتھ یہ ہوتا رہا ہے لوگوں نے یا تو تصدیق کی یا تکذیب کی ان پر بہتان لگائے انہیں

جھوٹا کہا یا انکار کیا انبیاء نے ہمیشہ صبر کیا۔

حَتّٰی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۔ کامیابی ہمیشہ اللہ کے نبیوں کی، اللہ کے رسولوں کی اور ہمیشہ نیکی اور بھلائی کی اللہ کی اطاعت کی اور اللہ کے احکام کی ہوئی ہے۔ خدا کے احکام کی توہین کرنے والوں کی انبیاء کی نافرمانی کرنے والوں کی کبھی کامیابی نہیں ہوئی اور یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ج۔ خدا کے فیصلوں کو کوئی تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے یہ اور بات ہے کہ اس نے مہلت دے رکھی ہے ہر کسی کو زبردستی کسی پر نیکی یا بدی کو مسلط نہیں کیا کیونکہ انسانوں کو شعور بخشا ہے اور انبیاء علیہم السلام مبعوث فرما کر نیکی کو بدی سے علیحدہ کر دیا ہے نیکی کی طرف دعوت دی ہے اور اتنا کریم ہے وہ کہ کسی لمحے کوئی شخص خلوص سے واپس آنا چاہے اسی لمحے اس کو قبول فرما لیتا ہے لیکن واپس نہ آنا چاہے تو فرمایا آپ اس پر نیکی مسلط نہیں کر سکتے کیونکہ ہر ایک کا معاملہ اپنی پسند کا ہے۔

اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا

ہر ایک کے سامنے دونوں راستے کھلے پڑے ہیں چاہے تو شکر کا راستہ اختیار کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لوگ عموماً دو حصوں میں بٹ گئے جنہوں نے اتباع کی اطاعت کی وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں کامیاب ہوئے اور جنہوں نے اطاعت کا راستہ چھوڑ دیا نہ ان کے پلے دنیا رہی اور آخرت تو سرے سے گئی۔

پھر اس کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانے کی ایک مصیبت یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب پوری قوم اجتماعی طور پر سیدھے راستے کی طرف نہیں آتی سارے مل کر توبہ نہیں کرتے تو میرے اکیلے توبہ کر لینے سے کیا فرق پڑے گا یہ سوچ بنیادی طور پر غلط ہے۔ میں پوری قوم کا مکلف نہیں ہوں آپ پوری قوم کی طرف سے جواب دینے کے مکلف نہیں ہیں میں اپنی طرف سے جواب دوں گا۔ آپ اپنی ذات کی طرف سے جواب دیں گے۔ مجھے چاہیئے کہ میں اللہ کے ساتھ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاملہ درست کر لوں آپ کو چاہیئے اپنا معاملہ درست کریں اور اس طرح ہم سب اپنا اپنا معاملہ درست کرنا شروع کریں تو ساری قوم ہی درست ہو جائے گی اور جب تک ہم یہ کہتے رہیں گے کہ دوسرا درست کرے تو میں کر لوں گا پھر کبھی نہیں ہوگا۔ آپ ایک دوسرے کو کہتے رہیں گے کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ جو شخص اپنا معاملہ درست کر لیتا ہے پوری دنیا اگر نارِ نمرود بھی بن جائے تو اس کے گلزارِ خلیل درمیان میں ہوگی اللہ ایسا قادر ہے کہ جو شخص اللہ کی اطاعت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی خلوص دل سے اختیار کرے۔ بدترین حالات میں بھی اس کے لیے بہترین حالات موجود رہتے ہیں نہ اسے دنیا میں کبھی کوئی ایذا ہوتی ہے اور نہ اسے آخرت میں کوئی پریشانی۔ یہ اللہ کریم کا فیصلہ ہے کہ نتائج ہمیشہ اس کے حق میں بہتر رہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ جو لوگ یہ فیصلہ کر نہیں پاتے وہ سمجھ بھی نہیں پاتے وہ اپنی طرف سے فیصلے صادر کرتے رہتے ہیں اور وہ ان حقائق کو سمجھ نہیں پاتے۔ سمجھنے کیلئے ایک تو ذوق ایں مے خدا نہ شناسی تا نہ چشید جب تک کوئی ان کیفیات سے گزرے نہیں تب تک کیسے جانے گا۔

انفرادی زندگی کے لیے بھی ضروری ہے کہ آدمی کم از کم اپنے لیے اپنے خاندان کے لیے اپنے بچوں کے لیے کچھ بنا جائے جب ہم بچوں کی بات کرتے ہیں تو ہم بالکل مختلف بات کرتے ہیں ان کے آنے والے وقت کا سوچتے ہیں اور سب سے ضروری سب سے یقینی مستقبل تو وہ ہے جو قطعی ہے جو دائمی ہے جو ہمیں ہمارے بچوں کو پیش آنے والا ہے ہمیں اپنی اپنے آنے والی نسل کی یہ خدمت ضرور کرنا چاہیئے کہ ہم آنے والی نسل کو کیا دے کر جا رہے ہیں۔ چوریاں ڈاکے قتل و غارت ایک دوسرے پر بہتان تراشی فساد جھگڑے یا اللہ کی اطاعت، دین، ذکر حضور کی سنت نیکی بھلائی۔ ہمارے پاس کیا ہے اور ہم آنے والی نسل کو کیا دے کر جا رہے ہیں۔

آج وقت ہے موت اس وقت کو ختم کر دیتی ہے اس کے بعد کسی کے پاس وقت نہیں ہوگا۔ اللہ کریم ہمیں توبہ کی توفیق نصیب فرمائے ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہماری توبہ کو قبول فرمائے اور ٹوٹی پھوٹی نیکیوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس پر دین کی حکومت قائم فرمائے۔

امریکہ میں کھانے پینے کی اشیا میں احتیاط

ڈاکٹر ظہور الحق

اس تحریر کا محرک یہ جذبہ ہے کہ ہمارے جو مسلمان بھائی تھوڑی یا زیادہ مدت کے لیے امریکہ یا بیرونی غیر مسلم ممالک میں جاتے ہیں ان کو وہاں پر دستیاب کھانے پینے وغیرہ کی چیزوں میں موجود حرام اجزاء سے آگاہ کیا جائے۔

جو حضرات وہاں پہلی بار جاتے ہیں وہ ناواقفیت یا لاعلمی کی وجہ سے نادانستہ طور پر ان حرام اجزاء سے پرہیز نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہر مسلمان کو بالعموم اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے ساتھیوں کو بالخصوص ایسی چیزوں سے بچنے کی ہر ممکن سعی کرنی چاہیئے۔ ایسی چیزوں سے نادانستہ یا دانستہ پرہیز نہ کرنے کا منطقی نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ متعلقہ شخص دین اسلام سے آہستہ آہستہ بے بہرہ ہوتا جائے۔ اور امریکی معاشرے میں رفتہ رفتہ ملوث ہوتا جائے۔ میرے ایک دوست واشنگٹن ڈی سی میں قیام پذیر ہیں جو بہت دیندار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ میں رہنے والے پاکستانی مسلمانوں کی موجودہ نسل اگر انتہائی کوشش کے باوجود اسلام پر قائم رہ جائے تو بڑی بات ہے۔ لیکن ان کی اگلی نسل تو ضرور عیسائی نما ہو جائے گی۔ کیونکہ سکولوں میں جو کھانا دیا جاتا ہے اس میں حرام اشیاء ہی ہوتی ہیں۔ نیز سکولوں کی تعلیمات میں عیسائی مذہب کی مناسبت سے ہی ساری باتیں ہوتی ہیں۔ جو کہ بچوں کے ذہنوں پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں امریکہ میں رہنے والے جن مسلمان بھائیوں کے بچے سکولوں میں پڑھتے ہیں۔ انہیں پابندی کے ساتھ اپنے بچوں کو گھر سے حلال اور طیب کھانا (LUNCH BOX) میں رکھ کر دینا چاہیئے اور بار بار سرزنش کرنی چاہیئے کہ وہ سکول سے یا ریسٹوران سے کوئی چیز نہ کھائیں پئیں۔

یہ معلومات تین سالہ امریکی قیام کے دوران ذاتی تجربے اور تحقیق پر مشتمل ہیں۔ اس مضمون میں جابجا انگریزی الفاظ اور اصطلاحات استعمال کیے گئے ہیں جنکی وجہ یہ ہے کہ امریکہ میں انہی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اور اس طرح قاری کے لیے متعلقہ غذائی اجزاء کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ نیز ان الفاظ کے اردو متبادل آسانی

سے دستیاب بھی نہیں ہیں۔

ابتدا میں ان حرام اجزاء کا تعارف کروایا جا رہا ہے جو کہ عام طور پہ غذائی اشیاء میں شامل کئے جاتے ہیں۔ ایک لحاظ سے وہاں حرام سے بچنے میں آسانی بھی ہے۔ وہ یہ کہ غذائی اشیاء کے تمام پیکٹوں پہ ان تمام اجزائے ترکیبی کی فہرست لکھی ہوتی ہے۔ جو اس چیز میں شامل کئے گئے ہوں۔ اس لیے کبھی بھی بغیر اجزاء ترکیبی (INGREDIENT) پڑھے کوئی چیز نہ خریدنی چاہیئے۔ حرام اجزاء میں سرفہرست مانو اینڈ ڈائی گلیسرائڈ ہیں جو بیشتر اشیاء میں ملائے جاتے ہیں۔ گلیسرائڈ (GLYCERIDE) حیوانی خلیے کا ایک حصہ ہے۔ جو کہ گائے یا سور کے گوشت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور اسے محفوظ کن (PRESERVATIVE) کے طور پہ کھانے کی چیزوں میں ملایا جاتا ہے۔ جو کہ پیکٹوں میں بند کر کے دکانوں پہ فروخت کی جاتی ہیں۔ ہوٹلوں اور ریستورانوں پہ دستیاب خوراک میں یہ شامل نہیں ہوتے لیکن اس صورت میں اور قباحتیں موجود ہیں۔ جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔ سور کے گوشت کو پورک (PORK) کہا جاتا ہے۔ اور اس سے بنائے ہوئے ایک اور جزو کا نام (SWINE PEPSIN) ہے جو بعض اشیاء میں ملایا جاتا ہے۔ سور کی چربی کو لارڈ (LARD) کہا جاتا ہے۔ یہ چونکہ دوسری چکنائی کے مقابلے میں بہت سستا ہے۔ اس لیے اسے سستی خوراکوں میں عام استعمال کیا جاتا ہے اس کے سستا ہونے کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ایک گیلن کارن آئیل یا مکئی کا تیل جو کہ عام طور پہ گھی کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے کی قیمت تقریباً آٹھ ڈالر فی گیلن ہے جبکہ لارڈ کے ایک گیلن کی قیمت تقریباً ایک ڈالر فی گیلن ہے۔ حیوانی چربی (ANIMAL FAT) کو بھی چند مصنوعات میں شامل کیا جاتا ہے۔ جو کہ یا تو لارڈ ہی ہوتا ہے اور اکثر (BEEF) یا (CHICKEN) کی چربی ہوتی ہے۔ دہی جسے (YOGURT) کہا جاتا ہے کو گاڑھا کرنے کے لیے اور جیلی وغیرہ میں ایک اور حیوانی جزو جلاٹین (GELATIN) ملایا جاتا ہے جو حیوانی ہڈیوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ صابن اور ٹوتھ پیسٹ میں جو حیوانی تیل استعمال کیا جاتا ہے اسے ٹیلو (TALLOW) کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا نام (BEEF TALLOW) ہے اور دوسرے کا (PORK AND BEEF TALLOW) یہ دونوں حرام ہیں اور صابنوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ صابنوں کے پیکٹوں پہ (TALLOW) نمبر لکھا ہوتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس میں کونسا (TALLOW) استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے اس میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایک اور آسانی بھی موجود ہے کہ اشیاء کے پیکٹوں پر اکثر (TOLL FREE NUMBER) درج ہوتا ہے، جو کہ مفت ٹیلیفون کال کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور متعلقہ کمپنی سے اس چیز کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ بعض اوقات الکوحل یعنی شراب بھی کھانے پینے کی چیزوں میں ملائی جاتی ہے۔

امریکہ میں عارضی طور پہ رہنے والے عرب طلبہ کی بعض انجمنوں مثلاً مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے عام طور پہ دستیاب اشیاء کے حوالے سے حلال و حرام کی فہرستیں بھی مرتب کی ہوئی ہیں۔ لیکن وہ ہمارے لیے سودمند نہیں کیونکہ انہوں نے بیف اور چکن کو جائز شمار کیا ہے۔ جبکہ یہ جانور ہیں تو حلال، لیکن ان کا گوشت اور چکنائی وغیرہ حلال صرف اسی صورت ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان نے تکبیر پڑھ کر انہیں ذبح کیا ہو۔ جبکہ مشینی طور پہ کاٹے گئے ان جانوروں کا گوشت شرعاً حرام ہے۔ اس لیے جن اشیاء کا یہ جزو ہو گا وہ بھی ناقابل استعمال ہوں گی۔

اگر آپ پاکستانی ائر لائن سے امریکہ کا سفر کریں تو ان کے دعوے کے مطابق وہ جہاز میں حلال خوراک فراہم کرتے ہیں۔ لیکن کسی امریکی، برٹش یا جرمن وغیرہ کی ائر لائن سے سفر کر رہے ہوں تو دوران پرواز بھی کھانے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض حضرات اس صورت میں (SEA FOOD) طلب کرتے ہیں لیکن

مچھلی کے علاوہ باقی تمام آبی جانور بھی تو ناجائز ہیں۔ لہذا اگر کسی بھی قسم کی مچھلی مل سکے تو کھا لیں۔ اور وہ بھی تحقیق کر کے کہ اس کے پکانے میں (LARD) یا کوئی اور ناجائز چیز تو استعمال نہیں کی گئی۔ یہی حال (SEAFOOD RESTAURANTS) کا ہے۔ لوبیا جس کی دو اقسام یعنی سفید لوبیا (BLACK EYE BEANS) اور سرخ لوبیا (KIDNEY BEANS) عام طور پہ دستیاب ہیں، بھی جہاز یا ریسٹوران میں نہیں کھانی چاہئیں کیونکہ (BEANS) کو عام طور پہ (PORK) اور (LARD) کے ساتھ پکایا جاتا ہے۔ ٹین کے ڈبوں میں بند بکی ہوئی (BEANS) کا بھی یہی حال ہے۔

ریسٹورنٹ کے کھانے میں بھی بہت احتیاط کرنی ضروری ہے۔ (SEAFOOD) کے ریسٹورانوں میں صرف (LONG JOHN SILVER'S) نامی ریسٹورنٹ میں مچھلی سے تیار شدہ اشیاء صحیح ہیں۔ کیونکہ یہ کارن آئل استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور قسم کا ریسٹورنٹ (PIZZA HUT) بھی صحیح ہے لیکن اس میں احتیاط یہ ہے کہ (PIZZA) پہ کسی سبزی مثلاً پیاز، بڑی مرچوں یا مشروم وغیرہ کی (TOPPING) ہی استعمال کی جائے۔ (PIZZA) ایک روٹی ہوتی ہے اس پہ ایک تہہ (CHEESE) کی جما کر اور (TOPPING) لگا کر (OVEN) اوڈر دینے پہ تازہ تیار کی جاتی ہے۔ اس قسم کے ریسٹورنٹ میں جو (CHEESE) استعمال کیا جاتا ہے وہ سور کی چربی سے پاک ہوتا ہے۔ باقی اقسام کے (PIZZA) بھی ناقابل استعمال ہیں۔ یہ دو قسم کے ریسٹورنٹ عام طور پہ ہر شہر اور ہر علاقے میں ہوتے ہیں۔ اگر شروع میں معلوم نہ ہو تو کسی سے پوچھ کر یا پبلک فون میں موجود ڈائریکٹری سے ان کا فون معلوم کر کے انہیں کال کر کے ان کا ایڈریس اور جس جگہ سے آپ فون کر رہے ہیں وہاں سے ریسٹورنٹ پہنچنے کا راستہ پوچھ کر وہاں جا سکتے ہیں۔ بعض اوقات ایک شہر میں ان اقسام کے کئی کئی ریسٹورنٹ ہوتے ہیں اس صورت میں آپ اپنی (LOCATION) بتا کر قریب ترین ریسٹورنٹ کا پوچھیں گے۔ اگر یہ ریسٹورنٹ دستیاب نہ ہوں تو کسی دوسرے ریسٹورنٹ میں جا کر سلاد والے حصہ میں جو کہ عام طور پہ سلیف سروس اور (NO LIMIT) ہوتا ہے۔ آپ وقتی طور پہ گزارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس میں وہی اور (CHEESE) والی اشیاء کا استعمال نہ کریں۔ صرف ابلے ہوئے انڈے، کچی سبزیاں فروٹ کے ٹکڑے وغیرہ کھائیں انڈے کا آملیٹ بنا جسے (SCRAMBLED EGG) کہتے ہیں بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ کارن آئل میں بنایا گیا ہو۔ اس کے علاوہ آلو کے تلے ہوئے ٹکڑے بھی جنہیں (FRENCH FRIES) کہا جاتا ہے۔ (MCDONALD) اور دوسرے ریستورانوں سے مل سکتے ہیں۔ بعض اوقات ابلے چاول بھی مل سکتے ہیں۔ مچھلی میں اگر ممکن ہو تو (SMOKED FASH) طلب کی جانے، بجائے تلی ہوئی مچھلی کے۔ دوسری اقسام کے سمندری جانور مثلاً (CRAB) (SHRIMP) (PRAWN) (OYSTER) (LOBSTER) ہرگز نہ کھائے جائیں۔ ریسٹورانوں میں کھانے کے ساتھ جو ڈبل روٹی یا بند وغیرہ کے (SLICE) اور ٹکڑے دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر میں بھی حرام اجزاء کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس لیے پرہیز لازم ہے۔ ریستورانوں کے ایک اور سلسلہ کا نام (DUNKIN DONUTS) ہے۔ یہاں روائتی کھانا تو نہیں ملتا لیکن (DOUGH-NUTS) یعنی آٹے کے بنے ہوئے (RING) رنگ نما مٹھائی کی طرح کے NUT ملتے ہیں جو کہ (CORN OIL) سے تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ (REFRESHMENT) اور پارٹیوں کے لیے اور بعض اوقات بطور کھانا بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ریستوران تقریباً ہر شہر میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض دن رات کھلے رہتے ہیں اور ہفتہ میں ایک دن عام قیمت سے کم پہ (NUTS) فروخت کیے جاتے ہیں۔

اشیائے خورد و نوش کی بڑی دکانوں (GROCERY STORES) سے جو گوشت ملتا ہے وہ حرام ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو شہروں کے نواحی علاقوں میں فارموں پہ تلاش کر کے بھیڑ بکرے یا مرغیاں خود ذبح کی جائیں اور

گوشت کو (FREEZER) میں ذخیرہ کیا جائے۔ یا پھر قریبی اسلامک سنٹر یا مسجد سے حلال گوشت حاصل کیا جائے۔ دکانوں سے (FRESH FISH) منجمد حالت میں دستیاب ہوتی ہے۔ اور (TUNA) مچھلی ٹین کے چھوٹے ڈبوں میں بھی بند مل جاتی ہے۔ اس میں سے وہ لینی چاہیئے جو کہ (SPRING WATER) میں محفوظ کی گئی ہو۔ مچھلی سے ایک تیار شدہ خوراک جسے (FISH STICKS) کہا جاتا ہے بھی فروزن فوڈ والے حصے میں دستیاب ہوتی ہے۔ اس میں (FISHER BOY) کمپنی کے پیکیٹ قابل استعمال ہیں۔ ان ٹکڑوں کو کھانے سے پہلے گرم کرنا پڑتا ہے۔ انڈے بھی پروٹین کی فراہمی کا اہم ذریعہ ہیں اور ہر جگہ بکثرت دستیاب ہیں۔

پھلوں میں سے صرف سیاہی مائل سرخ سیب جنہیں (RED DELICIOUS) کہا جاتا ہے نہیں کھانے چاہئیں۔ کیونکہ انہیں چمکانے اور محفوظ کرنے کے لیے ان پر جس مرکب کی مالش کی جاتی ہے۔ اس میں سور کی چربی کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ باقی سب پھل درست ہیں۔ پیکٹوں میں بند مختلف کمپنیوں کی اشیاء مارکیٹ میں ملتی ہیں۔ انہیں ان کے (INGREDIENT) پڑھ کر خریدنا چاہیئے۔ (NABISCO) کمپنی کی تمام اشیاء میں حرام کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ ماسوائے دو اشیاء کے جو کہ سوجی (CREAM OF WHEAT) اور کھیر مکس (CREAM OF RICE) ہیں۔ بسکٹوں (COOKIES) میں ایک کمپنی (AL-MOST-HOME) قابل استعمال بسکٹ بناتی ہے جو کئی اقسام میں دستیاب ہیں۔

دہی میں عام طور پر جلاٹین کی آمیزش ہوتی ہے۔ دو برانڈ جو اس سے پاک ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام (DANNON) اور دوسرے کا نام (YOPLAIT) ہے یہ دہی (MIXED FRUIT YOGURT) کی صورت میں بھی ملتے ہیں۔ اکثر آئس کریموں میں بھی جلاٹین یا (GLYCERIDE) ملے ہوتے ہیں۔ ایک اچھا برانڈ جو پاکیزہ ہے اس کا نام (LADY BORDEN GRAND OLD VANILLA)

ایک اور قسم کے ریسٹورنٹ کا نام (DAIRY QUEEN) ہے جن پر زیادہ تر آئس کریم ہی ملتی ہے۔ ان کے بعض برانڈ بھی پورک اور لارڈ وغیرہ سے پاک ہوتے ہیں جو پوچھنے پر پتہ چل جائے گا۔ چیز (CHEESE) میں بھی حرام اجزاء کی آمیزش کی جاتی ہے۔ لیکن چیز کے بعض برانڈ اس سے مبرا بھی ہیں۔ صرف دو برانڈ جن کے نام (CHEDDER) اور (MONTERY JACK) ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔ اس کے علاوہ باقی برانڈ عام طور پر درست ہیں۔ (SOFT CHEESE) میں ایک برانڈ جس کا نام (PHILADELPHIA CHEESE) ہے، یہ بھی درست ہے (AMERICAN CHEESE) جو کہ (SLICES) کی شکل میں ہوتا ہے۔

بعض شہروں میں پکی پکائی روٹیاں بھی پیکٹوں میں ملتی ہیں جنہیں (TORTILLA) کہا جاتا ہے۔ ان کے اکثر برانڈ (LARD) کی ملاوٹ سے بنائے جاتے ہیں جبکہ اکا دکا برانڈ کارن آئل سے بھی بنائے جاتے ہیں۔ یہ بھی اجزاء ترکیبی پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

ڈبل روٹی کے بارے میں بھی میں نے کافی چھان بین کی ہے۔ بڑے سٹوروں پر جہاں ڈبل روٹی کے بیسیوں برانڈ موجود ہوتے ہیں صرف ایک یا دو برانڈ ہی قابل استعمال ہوتے ہیں۔ ڈبل روٹیوں میں عام طور (GLYCERIDE) کی آمیزش کی جاتی ہے۔ ایک برانڈ جو تقریباً ہر بڑے سٹور پر دستیاب ہے اس کی کمپنی کا نام (COUNTRY HEARTH) ہے۔ اور اس میں ایک قسم بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی (WHOLE WHEAT BREAD) کا ہے۔ جسے (GRAINOLA) کہتے ہیں۔ اس ڈبل روٹی کی کوالٹی بھی بہت اچھی ہے۔ اور حرام اجزاء سے بھی پاک ہے۔ لیکن عام ڈبل روٹیوں سے ذرا مہنگی ہے۔ یوں سمجھئے کہ عام ڈبل روٹی اگر ۵۰ سینٹ کی ملتی ہو تو (GRAINOLA) تقریباً سوا ڈالر کی ملے گی۔ یہ مہنگائی والا اصول تقریباً تمام پاک اشیائے خوردنی پر لاگو ہوتا ہے۔ یعنی جو چیزیں حلال اور جائز ہوں گی وہ ذرا مہنگی ہوں گی۔ لیکن حلال اختیار کرنے اور حرام کو چھوڑنے کے لیے اگر چند سینٹ زیادہ خرچ ہو جائیں تو بھی سودا سستا ہے۔ چائے اور کافی عام طور پر ٹھیک ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں صرف ایک احتیاط کی ضرورت ہے کہ خشک دودھ کی جو پڑیاں (CREAMER) اس میں شامل کرنے کے لیے ملتے ہیں ان میں (GLYCERIDE)

ملے ہوتے ہیں۔ یہ کریمر ڈبوں میں بھی ملتے ہیں۔ اس لیئے چائے اور کافی بغیر کریم ملائے پینی چاہیئے۔ اگر گھر میں چائے بنانی ہو تو اس میں حسب منشا گائے کا دودھ شامل کر سکتے ہیں۔ لیکن ریسٹورانٹوں اور ہوائی جہازوں میں گائے کے دودھ کی بجائے کریمر ہی دیا جاتا ہے۔

(COLD DRINKS) جنہیں عام طور پہ (SOFT DRINKS) بھی کہا جاتا ہے ان میں (SUNKIST) کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس میں الکوحل شامل ہوتی ہے۔ کوک، سپرائیٹ سیون اپ اور (PEPSI) اس آلائش سے پاک ہیں۔

امریکہ جاتے ہوئے ضرورت کے مطابق مسواک ساتھ لے جائیں۔ ٹوتھ برش اگر استعمال کرنا پڑ جائے تو صرف (NYLON) کے تاروں والا خریدیں۔ اگر اس پر نائلن نہ لکھا ہو تو پھر اس بات کا بڑا احتمال ہوگا کہ یہ سور کے بالوں (PIG BRISTLES) سے بنایا گیا ہے۔ ٹوتھ پیسٹوں میں سے جن برانڈوں میں حرام اجزاء شامل نہیں ہوتے ان کے نام (CLOSE-UP اور AIM PEPSODENT) ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے صابن کی بناوٹ میں (TALLOW) استعمال کیا جاتا ہے (PROCTER AND GAMBLE) کمپنی کے صرف دو صابن ایسے ہیں جو کہ ناریل کے تیل سے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک (KIRK'S) ہے جو دوسرے کا نام (LAVA) ہے جو ذرا کھردرا ہوتا ہے اور ورکشاپ وغیرہ میں میلے اور تیل وغیرہ والے ہاتھ دھونے کے لیے ہوتا ہے لیکن گھر میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور محض میرے ذاتی تجربے پہ مبنی ہیں۔ اس لیے کسی غلطی کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ میرا کافی وقت سٹوروں پہ (INGREDIENTS) پڑھنے میں صرف ہوا ہے۔ کسی پیکٹ پر بھی ہوں۔ یہ سب سے باریک ٹائپ میں لکھے ہوتے ہیں۔ بعض کمپنیوں سے ٹیلیفون پر بھی معلومات حاصل کی ہیں۔ پھر بھی براہ مہربانی اپنے طور پہ مزید تحقیق کر لیا کیجیئے تاکہ حرام اشیاء سے مکمل طور پہ اجتناب ممکن ہو سکے۔

Phone: 525736

WAHID JEWELLERS

FOR

QUALITY GOLD JEWELLERY

4, SAIGAL MARKET,
ZAIBUNNISA STREET,
SADDAR, KARACHI.

اللہ کی خوشنودی

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

زمانہ اپنی رفتار سے بڑھتا رہتا ہے جن کو ہم حادثات سمجھتے ہیں یہ اس کے پیچ و خم ہیں، اس کے وجود کا حصہ ہیں، خالقِ کائنات نے اس میں ایسے موڑ دیئے ہیں۔ جہاں سے زندگیاں اوجھل ہو جاتی ہیں کہیں ایسی بلندیاں دے دی ہیں جہاں سے کائنات سامنے آجاتی ہے کہیں ایسی گہرائیاں دے دی ہیں جہاں اپنا آپ بھی گم ہو جاتا ہے تو لوگ اس کی مختلف تنوں پر پڑتی ہوئی کرنوں سے حسن تلاش کرتے ہوئے مختلف راستوں میں کھو جاتے ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ انسان بنیادی طور پر حسن کا متلاشی ہے حسن عمل ہو حسن عقیدہ ہو زندگی کا حسن ہو موت میں حسن ہو ما بعد الموت کے لیے بھلائی اور حسن کی تلاش ہوتی ہو۔ اگر کسی کو موت اور ما بعد الموت کی حقیقتوں پر ایمان نہ بھی نصیب ہو تو جو زندگی اس کے سامنے ہے اُس میں وہ حُسن کا متلاشی ضرور ہوتا ہے کسی کے خیال میں دولت اس کا سبب بنتی ہے کسی کے خیال میں دنیا کی سہولتیں آسائشیں اس کا سبب بنتی ہیں کسی کے فیصلے کے مطابق اقتدار و وقار اس کا سبب بنتا ہے تو اس طرح یہ مختلف ابھرتی چمکتی ہوئی چوٹیاں زمانے کے نشیب و فراز میں نظر آتی ہیں لوگ اِن کی طرف دوڑتے رہتے ہیں۔ ان کے راستوں میں گھنے جنگل بھی ہیں صحرا بھی ہیں، دلدلی علاقے بھی ہیں۔ نشیب و فراز بھی ہیں۔ موڑ بھی ہیں، کوئی وہاں پہنچتا ہے اور پہنچ کر گم ہو جاتا ہے بیشتر راستے میں گم ہو جاتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے جو خالق ہے انسان کا اور انسانی مزاج کا بھی اور جس نے تلاشِ حسن انسان کے مزاج میں سمو دی ہے۔ اس نے اِسے حسن لازوال کا نشان بھی بتا دیا ہے کہ لوگو تمہارے لیے سارے کا سارا حُسن جو ہے اُسوہ حسنہ وہ ایک ذات میں ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ اُسے حسن ایمان و حسن عقیدہ کہیں حُسن معاشرت کہیں سیاسیات کا حسن، کہیں اقتصادیات کا حسن کہیں تعلقات کا حسن کہیں۔ کسی پہلو سے بھی دیکھیں اور کسی طرح کا حُسن چاہیے تو سارے کا سارا ایک ہی جگہ ایک ہی ہستی کے قدموں میں ایک ہی دروازے پہ ملے گا اور وہ ہے ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ یاد رکھیے کہ اتباع صرف اور صرف نبی کا کیا جاتا ہے مشائخ کا بزرگان دین کا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین اور کھری تعلیمات ہم تک پہنچائیں، کچھ وہ اپنی مجلس سے اپنی صحبت سے اپنے دِل کے درد کو ہمارے دلوں میں انڈیل کر

اپنی کیفیات کہ ہمارے سینوں میں القا کر کے ایک جذبہ عطا کر دیں ایک طلب عطا کر دیں کہ ہم بھی اُس حسن کی تلاش میں صرف اُس کو پہچان سکیں بلکہ اُس کی تلاش و جستجو بھی پیدا ہو جائے ایسی پیدا ہو جائے کہ ہم اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیں۔

آپ جس طرح دنیا میں دیکھتے ہیں کہ لوگ دنیا میں صحت مند ہوتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں لوگ جوان ہوتے ہیں کمزور رہتے ہیں لوگ بوڑھے بھی ہوتے ہیں بچے بھی ہوتے ہیں ایک جوان آدمی سفر کرتا ہے اس طرح ایک بوڑھا آدمی سفر نہیں کر سکتا جس طرح ایک جوان آدمی سفر کرتا ہے ایک بچہ نہیں کر سکتا جس طرح ایک صحت مند آدمی کرتا ہے ایک بیمار نہیں کر سکتا لیکن بیمار کو اپنے صحت مند ہونے کی فکر ہوتی ہے وہ وہ اس کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے جب اُس کو صحت نصیب ہوتی ہے تو صحت مند آدمی جیسا سفر کرتا ہے بچہ جوان ہوتا ہے تو جوانوں میں شامل ہو جاتا ہے پھر اُسے کوئی بچہ نہیں سمجھتا نہ اُسے کام کرنے میں کوئی بچوں جیسی بات رہتی ہے۔ اسی طرح دین میں بھی بچپن جوانی صحت بیماری توانائی کمزوری یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں ہم ایمان قبول کر لیتے ہیں لیکن ہمارے مزاج سے بچپن نہیں جاتا ہم اسی سطح پہ رہتے ہیں جیسے قبول کیا تھا۔ والدین سے اساتذہ سے بچپن میں کہیں سے کوئی بات آئی پھر اُسی بچپن میں عمر بیت جاتی ہے گرتے پڑتے جس طرح ننھا بچہ ہوتا ہے کبھی دو قدم چل پڑا کبھی گر پڑا کبھی رو پڑا کبھی کھیل لیا بہت کم لوگ ہیں جو دین میں بھی جوان ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں تو ہر کوئی جوان ہوتا ہے ہر کوئی سکول کالج جاتا ہے ہر کوئی کاروبار کے مراکز میں جاتا ہے ملازمت کے لیے جاتا ہے چاہتا ہے کہ اپنے خاندان میں اپنی فیملی میں اپنے گاؤں میں اپنے محلے میں اڑوس پڑوس میں جو کچھ لوگوں نے کمایا ہے میں اس سے زیادہ کما لوں اُن سے اچھا گھر بنا لوں اُس سے اچھی موٹر خرید لوں اُس سے زیادہ سہولتیں جمع کر لوں۔

لیکن دین میں عموماً بچپنا رہتا ہے کہ ہمیں دنیوی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں اور دنیوی تربیت کرنے والے بھی بہت ملتے ہیں بات بات پہ ہر آدمی ہمیں دنیا کے متعلق معلومات بھی فراہم کرتا ہے مشورے بھی دیتا ہے ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلاتا بھی ہے دین کے معاملے میں یہ نعمتیں کم نصیب ہوتی ہیں، مثالیں بھی بہت کم ملتی ہیں اور ہاتھ پکڑ کر چلانے والے تو الا ماشاء اللہ۔ اس کمیابی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی دینی اعتبار سے اُسی بچپن میں کھویا رہتا ہے کبھی رمضان میں روزے رکھ لیے کبھی چھوڑ دیے کبھی دل میں آیا تو حج کو چل نکلے۔ اور پھر طبیعت میں آئی تو محلے کی مسجد میں بھی جانا چھوڑ دیا ایک بات آئی مزاج میں تو مکہ مکرمہ تک چلے گئے اُسی ولولے میں اور وہ جذبہ سرد ہو گیا تو مسجد میں جانے سے بھی بیزار ہو گئے یہ بچپن کی بات ہے نا اس میں جب قوت آتی ہے یا جوانی آتی ہے تو ہر بات میں ایک مستقل مزاجی اور تسلسل آجاتا ہے۔

تو یہ چیزیں جو ہیں یہ اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ لوگ دینی اعتبار سے کچھ تو بچپن میں کھوئے رہتے ہیں جوان ہوتے نہیں کچھ بیمار ہو جاتے ہیں دینی بیماری جو ہے وہ بے عملی نہیں ہے یہ بد عملی جو ہے یا اعمال سے غفلت جو ہے اسے میں بچپن شمار کرتا ہوں۔ بیماری جو ہے وہ عقیدے میں خرابی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اُسے آپ بیماری کہہ سکتے ہیں آدمی حقائق کے بجائے رسومات میں کھونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ یاد رکھیے کہ اسلام ایسا مذہب ہے جس نے جو حکم دیا اُس کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجا لائے کوئی چیز حلال ہو گئی یا حرام ہو گئی، کوئی چیز واجب ہے یا فرض ہے کچھ کرنا ہے یا نہیں کرنا اوامر سے متعلق ہے یا نہی ہے تو اُس کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے دامن میں ہے ہی صرف ایک نام اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی بارگاہ سے اللہ جل شانہ کا پتہ بھی ملتا ہے ورنہ بارگاہ نبوت کو چھوڑ کر کوئی اللہ کا پتہ نہیں پا سکتا اللہ کی ذات کیسی ہے اُس کی صفات کیسی ہیں اسی بارگاہ سے اللہ کا کلام بھی نصیب ہوتا ہے یہی بارگاہ ہے جہاں سے اللہ کریم کی پسند و ناپسند کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یعنی حسن کائنات کہیں یا عشق دو جہاں کہیں ساری کی ساری نعمتیں اس ایک بارگاہ سے بٹتی ہیں ملتی ہیں اور اربوں انسانوں کے دل پھیلتے اور وسیع سے وسیع تر ہونے چلے جائیں سب کو طلب جمال باری سے مالا مال کرنا سب کو عشق الٰہی کے شعلوں میں بھڑکا دینا اور سب کو جمال باری سے منور کر دینا اور پھر بھی کسی قسم کی اپنی ذات میں کمی محسوس نہ کرنا یہ فرائض نبوت میں سے ہے۔

اتنی عظمتوں کے باوجود اطاعت باری سے آپ کی ذات بھی استثنیٰ نہیں ہے پھر کوئی دوسرا استثنیٰ تو نہیں ہو سکتا یعنی کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جسے توفیق عمل ہو اور وہ عمل سے استثنیٰ ہو ہاں جو کچھ ہم کر نہیں سکتے اُس کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا کہ

ہم مکلف نہیں ایک کھڑا آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ کھڑا ہو کر عبادت کرنے کا بھی مکلف نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ عمل ہم چھوڑ کیوں دیتے ہیں، آپ نے دیکھا کہ ہم بچوں کو بہت قیمتی چیزیں بھی لا کر دیں وہ انہیں پھینک کر چلے جاتے ہیں گلی میں کھیلتے رہیں وہیں پھینک دی گھر میں کھیلتے رہے وہیں پھینک دی کبھی مزاج میں آیا تو اسے توڑ کر بیٹھ گئے کھول کر دیکھنے لگے اس کے اندر کیا ہے اگر تم توڑو گے تو یہ بے کار ہو جائے گی تمہیں اندر سے کیا ملے گا یہ سب بچپن کی باتیں ہیں، ہم بھی اپنے دین کا یہی حشر کرتے ہیں۔ یاد آ گیا تو اُسے سینے سے چمٹا لیا بھول گئے تو بھول ہی گئے۔ ہفتوں بیت گئے، مہینوں بیت گئے ہماری پیشانی سجدے سے آشنا ہی نہیں ہوتی اور خیال آ گیا تو مسلسل پڑھے جا رہے ہیں، تلاوت ہو رہی ہے رمضان شریف آ گیا تو روزے رکھے جا رہے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ بچپن ہے۔

مشائخ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہمیں بچپن سے جوانی کی طرف چلائیں۔ دینی اعتبار سے ہمیں اس بچپن سے لڑکپن سے نکال کر ہمیں وہ شعور عطا کریں کہ یہ پیسہ یہ روپیہ یہ کپڑا اسے ہم ضائع نہیں کرتے کیوں معاشرے میں ہمارے والدین نے ہمارے دوستوں نے ہمارے اساتذہ نے ہمیں بچپن سے جوانی کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سمجھا دیا ہے کہ ان چیزوں کی ایک قیمت ہے انہیں کمانا پڑتا ہے اور یہ مل جائیں تو انہیں سنبھال کر رکھنا چاہیئے یہ ہماری ضرورت کی چیزیں ہیں، تو ہم انہیں بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں لیکن دین کے معاملے میں یہ احتیاط کیوں نہیں آتی شاید اس لیے کہ ہمیں کوئی ایسا معاشرہ کوئی ایسا ماحول کوئی ایسا رفیق کوئی ایسا شفیق انسان کوئی ایسا بزرگ کوئی ایسا دوست کوئی ایسی درسگاہ نہیں ملی جو ہمیں اُس دینی اعتبار سے بچپن سے جوانی کی طرف لے جاتی اور ہم فرائض کو سُنن کو واجبات کو حلال و حرام کی تمیز کو اوامر و نواہی کو صلوٰۃ و سلام کو اپنے عجز و نیاز کو ہم ایک ایک چیز کو سنبھال کر رکھتے ہیں کہ یہ کپڑا جوتا تو صرف دنیا میں کام آئے گا۔ یہ تو میری ابدی زندگی کا ابدی راحتوں کا سامان ہے یہ کیوں ضائع کروں۔

اب ایک انداز ہے ہماری تبلیغ کا کہ ہم اسے ثواب کے اُن مختلف عددوں سے ضرب دیتے ہیں یہ ٹھیک بات ہے حضور نبی کریم رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اعمال پر ثواب کے مختلف مدارج کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جس طرح حرم شریف بیت اللہ میں ایک نماز ایک لاکھ گنا ثواب پاتی ہے نفل فرض کے برابر ثواب پاتا ہے اطاعت و عبادت میں ثواب و عذاب کا ایک فلسفہ اپنی جگہ ہے اُس کے علاوہ بھی ایک بات ہوتی ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی فتح کے بعد فرمایا جو صحابہ بدر میں شریک تھے بدر کے بعد زندگی میں جو چاہیں وہ کرتے رہیں جنت اُن کے لیے واجب ہو چکی ہے جنت اُن کا حق ہے جنت انہیں مل گئی اب اُن کا جو جی چاہے کریں۔ شارحین حدیث جب اس پر بحث کرتے ہیں تو یہ عجیب بات ہے کہ ایک آدمی دنیا میں زندہ موجود ہے مکلف ہے اُس سے خطا ہو سکتی ہے گناہ ہو سکتا ہے ساری چیزیں سارے امکان موجود ہیں۔ اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے رہے ہیں جو جی چاہے کر لیں۔ اسلام حقیقتوں کا مذہب ہے حکایتوں کا مذہب نہیں ہے اس میں قصے کہانیوں پر اعتبار نہیں بڑا ٹھوس اور بڑا سیدھا اور بالکل حقیقتوں کا مذہب ہے تو یہ کیسے ممکن ہے پھر شارحین خود ہی جواب دیتے ہیں کہ یہ جو لوگ بدر میں حضورؐ کے ہم رکاب تھے انہیں اللہ کریم سے ایسا تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ ان سے رب کی نافرمانی ہوتی ہی نہیں تھی۔ یعنی انہیں اجازت دے دی گئی کہ جو جی چاہو کرو تو پھر بھی نیکی کرتے ہیں گناہ نہیں کرتے ان سے گناہ ہوتا نہیں اس لیے نہیں کہ اس پر سزا ملے گی وہ تو بات ہی ختم ہو گئی جو جی کرو تمہیں جنت ملے گی گناہ سے سزا کا تصور تو اُٹھ گیا لیکن وہ اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کے رب کو پسند نہیں تھا یعنی ایک پلڑا تو ہے عذاب و ثواب کا وہ جتانا تو مدرس کا، معلم کا، آپ کو پڑھانے والے کا کام ہے۔ ایک ہوتا ہے دل کو جمال باری میں الجھا دینا اور ثواب ملے یا نہ ملے تھوڑا ملے یا زیادہ ملے لیکن اللہ کریم خفا نہ ہو۔ اس سے بات بنی رہے یہ تربیت کرنا یہ مشائخ کی ذمہ داری ہوتی ہے، سب سے قیمتی جنس یہ ہے سب سے گراں جنس یہی ہے اور سب سے عظیم اور سب سے بڑی بات یہ ہے وہ اس جذبے کا ایک لمحہ بھی کبھی زندگی میں آ جائے۔

آپ نے دیکھا ہو گا بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے تین آدمی سفر کر رہے تھے، بارش آ گئی۔ تو وہ کسی غار میں گئے وہاں بہت بڑا پتھر تھا وہ لڑھک کر غار کے منہ پر آ گیا وہ تو ہزاروں آدمیوں کے دھکیلنے سے ہٹتا وہ تین تھے انہوں نے کہا کہ اس کے بغیر کچھ نہیں

ہوسکتا کہ ہم دعا کریں۔ دو آدمیوں نے بڑے بڑے زاہدانہ، عابدانہ اور نیکی کے کام کیے تھے ایک آدمی نے جو عمل پیش کیا وہ ایسا تھا۔ اُس کے پاس کوئی چرواہا تھا اس کی تنخواہ میں وہ کوئی ایک آدھ بکری دو مہینے تین مہینے یا چھ مہینے میں دیتا تھا وہ کسی مہینے کی تنخواہ چھوڑ کر بغیر بتائے چلا گیا اس شخص نے اُس کی ایک دو بکریاں جو تھیں امانت کے طور پہ رکھ لیں۔ کئی سالوں بعد جب چرواہا لوٹ کر آیا۔ تو وہ دو سے دو سو یا زیادہ بن چکی تھیں لیکن اُس نے علیحدہ رکھیں انہیں پالتا رہا جب کئی سالوں بعد ملا تو کہا کہ خدا کے لیے اپنا وہ بوجھ سنبھالو میں تو انہیں سنبھال کر تھک گیا۔ عملی زندگی میں کتنا مشکل کام ہے، دونوں نے جب دعا کی تو تھوڑا سا پتھر سرکا ضرور۔ دوسرے نے دُعا کی پھر بھی پتھر سرکا لیکن اِن دونوں کے کہنے سے اتنا نہیں سرک سکا کہ وہ اُس سے نکل تو سکتے، تیسرے کی دُعا ہی عجیب تھی اسے گناہ کا موقع میسّر آیا، اِس لیے نہیں کہ اُسے گناہ سے ڈر لگ گیا وہ کہتا ہے کہ اللہ میں اِس لیے رُک گیا۔ کہ تو خفا ہو جائے گا۔ اللہ تو گواہ ہے کہ میں گناہ کرنا چاہتا تھا گناہ کا مجھے موقع مل گیا لیکن میں نے اِس لیے نہیں کیا کہ تو خفا ہو جائے گا اگر واقعی میرے دل میں تیرا تعلق تھا تو پھر یہ پتھر راستہ روکے کیوں کھڑا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ پتھر سرے سے ہی لڑھک گیا ہٹ ہی گیا دروازے سے۔ یعنی وہ بہت بڑا مجاہدہ تھا جو ایک شخص نے مسلسل کئی برس کیا مال میں اور بہت مشکل ہوتا ہے کاروبار میں، مال میں اتنی دیانت اور مسلسل کئی برس اُس پہ قائم رہنا۔ لیکن اُس میں ایک لمحہ جس میں عذاب و ثواب کے بجائے تعلقات کا فلسفہ تھا.......

جب گناہ سامنے آتا ہے تو واقعی دل پہ چوٹ پڑتی ہے دکھ لگتا ہے اعمال میں جب سستی آتی ہے دکھ لگتا ہے کہ مجھے نہیں چاہیئے تھا مجھے یہ زیب نہیں دیتا میرا اللہ کریم کے ساتھ ایسا تعلق نہیں ہے کہ میں سستی کروں، مخلوق تو ساری اُسی کی ہے کھاتے تو سب اُسی کا ہیں جتنے سب اُسی کے آسرے پر ہیں ساری نعمتیں اُسی کی استعمال کرتے ہیں لیکن اس سب کچھ کو وصول کرنے کے بعد اُس سے تعلقات کون نبھاتا ہے یہ دوسری بات ہے۔

”بندے تو سب میرے ہیں لیکن اُن میں میرا شکر ادا کرنے والے تھوڑے ہیں“ تو اِس ساری محنت مجاہدے کا اصل محور و مرکز

فرمایا: برزخ سامنے دکھائی دیتا ہے راستہ لمبا اور معاملہ دشوار ہے۔ اقارب و رشتہ دار تو مردے کو نہیں اپنے فائدے کو روتے ہیں۔ تن تنہا حساب و کتاب ہونے والا ہے۔ آباؤ اجداد کی قبور تک کا ہمیں اب علم نہیں یہی حساب ہمارا ہوگا۔ خصوصاً آخر عمر میں اللہ کی طرف متوجہ رہیں جو ان سب کام کریں۔ ڈیوٹی ٹھیک کریں۔ سب چیزیں ٹھیک کریں۔ بیوی بچے غرضیکہ ہر کام کریں لیکن خدا کو نہ بھولیں۔

(حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

یہ ہے کہ کاش کوئی لمحہ اُس درد کا نصیب ہو جائے کہ ہمیں یہ احساس اتنا ستانے لگے کہیں میرا رب مجھ سے خفا نہ ہو جائے باقی بات ہوتی رہے گی۔ گناہ و ثواب اپنی جگہ حضورؐ کے ارشادات بسر و چشم سب کچھ درست آخرت ضروری نجات ضروری نجات دے بھی دے اور وہ راضی نہ ہو تو کیا فائدہ اسی لیے نجات کے ساتھ ساتھ بار بار اُس نے یہ سند دی ہے کہ جسے نجات نصیب ہوگی اُسے میری رضا نصیب ہوگی۔ ورنہ جو اُس کی رضا کے طالب ہیں میری جنت پہ بھی خوش نہ ہوتے۔

تو یہ جذبہ یہ کیفیت یہ ایک لگن جو گناہ و ثواب سے بالاتر ہو کر الٰہ العالمین کے ساتھ، اِس مشت غبار کو ایسا جنوں عطا کر دے۔ انسان کی حیثیت یہ ہے کہ کوئی شخص علمی اعتبار سے اپنے آپ کو اگر شمار کرنا چاہے تو اس کائنات میں اُس کی حیثیت کیا بنتی ہے آپ آسمان کی اوپر کی مخلوق کو چھوڑ دیں آسمان سے نیچے فضا میں اِس زمین سے کروڑوں گنا بڑے بڑے سیارے موجود ہیں کتنے ہیں آج تک طے نہیں ہو سکے۔ یعنی ہر سال کوئی نہ کوئی نیا دریافت ہوتا ہے نئی حقیقتیں کھلتی ہیں اُن پر کتنی مخلوق ہے خود اِن سب کو بھی چھوڑ دیں۔ صرف زمین کو لے لیں زمین اور زمین کی فضا اور زمین کے پانی میں کتنی قسم کی مخلوق ہے جس کا شمار ممکن نہیں۔ ان ساری مخلوقات میں ساری انسانیت مخلوق کی ایک صنف ہے اور

انسان اُس ساری صنف میں ایک ہے کوئی بھی شخص میں ہوں یا آپ اگر اعتبار یہ لگا کہ آپ اُس کے ساتھ صفر لگانا شروع کر دیں ساری زندگی صفر لگاتے رہیں گے ایک لکھنے کی باری نہیں آئے گی۔ کہ میں ایک بھی ہوں۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں بنتی۔

اِس حیثیت کا مالک ہو اور اُسے یہ احساس ہو کہ یہ کام کرنے سے مجھ سے رب جلیل خفا نہ ہو دیکھو اِس کی حیثیت دیکھو اور اس کی امنگیں دیکھو۔ یعنی اِس کی اپنی حیثیت دیکھو اور اس کی طلب دیکھو یہ وہ کیفیت ہے جو شاہوں کے جاہ و جلال سے مستغنی کر دیتی ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جو مال و دولت سے خریدی نہیں جاتی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیاوی رعب و دبدبے مرعوب نہیں کرتے یہ ہوتے تو مشت غبار ہیں لیکن یہ بڑے بلا کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، کسی چیز کو یہ اہمیت دیتے ہی نہیں۔ چونکہ کوئی چیز ایسی ہوتی نہیں جس پر ان کی نگاہ ہے اُس کے مقابلے میں کوئی چیز ٹھہرتی نہیں۔

تو یہ طلب و جستجو اس کا کوئی لمحہ پوری زندگی میں پورے سال میں پورے COURSE میں پورے دورانیہ میں پورے ہفتے میں کسی نماز میں کسی سجدے کسی ذکر میں ایک لمحہ بھی نصیب ہو جائے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ سینکڑوں بار زندگی نصیب ہونے سے یہ ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اور یہ بہت بڑی قیمتی چیز ہے اگر تو اس میں سے رائی برابر بھی کوئی درد کی چھوٹی سی ٹیس آپ کے دل کو منتقل کر سکتے ہیں تو یہ اللہ کی عطا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ یہ تو ہمارا قصور رہا ہے۔ اگر آپ کا وقت ضائع ہوا ہے۔ اگر آپ کو تکلیف ہوئی ہے اگر آپ کو پریشانی ہوئی ہے تو اس میں ہمارا قصور ہماری کوتاہی۔ کچھ مل گیا ہے تو یہ اُس کی عطا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اس فلسفے سے ذرہ اوپر جا کر اُس حسن لازوال کو محبت کی نگاہ سے بھی دیکھے۔ آپ دیکھیں گے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کو محبت میں ڈوبا ہوا نظر آئے گا۔ اور یہ نعمت نصیب ہو جائے تو اس کی حفاظت کیجیے۔ بہت قیمتی ہے۔

میں نے عرض کیا ہے زمانہ میں بڑے بڑے تاریک موڑ بھی ہیں اس کے راستے گم ہو جاتے ہیں، ساتھ چلنے والے لوگ بچھڑ جاتے ہیں، اگلے موڑ پر نئے آنے والے کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ جانے وہ کیسے لوگ ہوں کیا کریں۔ اِس لیے جو لمحہ رفاقت کا نصیب ہو جائے اس کی کیفیات و لذات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ کیا خبر کہ پھر ایک سال کے بعد کیسی صورتیں یہاں موجود ہوں۔ کون نہ ہوں کیونکہ یہ محفل تو اللہ کی بارگاہ اللہ کی کائنات تو اِس طرح چل رہی ہے لیکن چہرے بدل جاتے ہیں۔ افراد بدل جاتے ہیں اور ہر چہرہ اپنی کیفیات اپنے ساتھ لے جاتا ہے ہر چہرہ اپنا مزاج لے جاتا ہے ہر چہرہ اپنا طریقہ کار بھی لے جاتا ہے۔ نئے رفیق نئے مزاج لاتے ہیں نئی باتیں لاتے ہیں نئی چیز بن لاتے ہیں۔ بعض لوگ اُن کے ساتھ فٹ ہوتے ہیں بعض نہیں ہوتے۔

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ کریم یہ در و عطا بھی کرے اور عطا کے بعد اس حفاظت کی ہمت اور توفیق بھی دے اور اسے دوام بھی دے لیکن یہ دیکھتے رہیے گا کہ اللہ نے سارا حسن ان لوگوں کے لیے جنہیں اللہ کے روبرو حاضری کی امید اور توقع ہے اور جنہیں قیامت کا انتظار ہے اور وہ لوگ جو ذکر الٰہی کے مشتاق اور اُس پر عمل کرنے والے ہیں اُن سب کو بتا دیا ہے کہ حسن لازوال تو محمد رسول اللہ سے ملے گا تمہارا ذکر تمہارے مراقبے تمہاری محنتیں تمہارے مجاہدے تمہارے لیے اور کوئی نئی راہ پیدا نہیں کر سکتے یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی مجاہدہ کر کے کوئی محنت کر کے کوئی ایک نیا راستہ ایجاد کر سکے کوئی نیا طریقہ نکال سکے۔ بلکہ سارے کا سارا حُسن انہیں نقوشِ کف پا میں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اُن کی طلب اُن کی محبت اُن سے عشق اور اُن کا ادب کہ یہ واحد بارگاہ ہے جہاں عشق بھی آداب کا پابند ہے۔ اللہ کریم نصیب فرمائے اور اس کی حفاظت کی توفیق دے۔ تکلفات، پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا کرتے ہیں۔ زندگی کو تکلفات سے آزاد کرو۔ اللہ کے روبرو جینا شروع کرو۔ ہم جیتے ہیں خدا سے چھپ کر۔ ہماری جو غیر حاضر زندگی ہے اس کو ہم رسومات کے لبادے پہناتے رہتے ہیں اُس پہ ایسے غلاف چڑھاتے ہیں کو لوگوں کو ایسی نظر آئے لوگوں کو ویسی نظر آئے۔ لوگ اسے کیا کریں گے، لوگ اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے تجھے اور مجھے کیا دیں گے اللہ کے روبرو جینا شروع کر دو۔ جس سے محبت کرتے ہو تمہارے جذبات اللہ اُس تک پہنچا دیں گے جس سے تمہیں نفرت ہے اُس کا دل تمہاری نفرت کو جان لے گا خلوص سے جینا شروع کر دو۔ اگر زندگی ہی میں خلوص نہیں ہے تو اعمال میں خلوص کب آئے گا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مولانا فضل رحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ (سورۃ الفتح)

ترجمہ:۔ بیشک وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (در حقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

فرمان رسول ﷺ

حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے بارے میں!

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ آج کی رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھلایا گیا کہ جیسے ابوبکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لٹکے ہوئے یعنی جڑے ہوتے ہیں اور عمرؓ ابوبکر کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور عثمانؓ عمرؓ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔" حضرت جابرؓ کہتے ہیں جب ہم لوگ (یہ سن کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک سے اٹھے تو (اپنے اجتہاد اور ظن غالب کے مطابق) ہم نے آپس میں کہا کہ "نیک شخص" سے مراد تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور رہا بعض کا بعض کے ساتھ لٹکنا یعنی جڑنا تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ تینوں حضرات (یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ مذکورہ ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے) اس مشن کے سربراہ ہوں گے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔

(ابو داؤد شریف)

نام و نسب

نام عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد المناف بن قصی تھا۔ ان کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد المناف بن قصی تھیں۔ اروی کی والدہ ام حکم تھیں، جن کا نام البیضا بنت المطلب بن ہاشم بن عبد المناف ابن قصی تھا۔

زمانہ جاہلیت میں عثمانؓ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ جب اسلام قبول کیا تو رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا اور اسی نام سے اپنی کنیت رکھ لی۔ مسلمانوں نے آپ کو عبداللہ کے نام سے پکارا۔

حلیہ مبارک

آپ میانہ قد چھریرے زردہ خوبصورت شخص تھے۔ داڑھی گھنی تھی۔ اس کو حنا سے رنگین رکھتے تھے۔ آپ کی ہڈی چوڑی تھی۔ رنگت میں سرخی جھلکتی تھی۔ پنڈلیاں بھری بھری تھیں۔ ہاتھ لمبے لمبے تھے۔ جسم پر بال تھے۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ دونوں شانوں میں فاصلہ تھا۔ دانت بہت خوبصورت تھے۔ کنپٹی کے بال بہت نیچے تک آئے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ حزم کا قول ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے زیادہ خوبصورت کسی مرد یا عورت کو نہیں دیکھا۔

خلافت حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تین دن بعد آپ سے بیعت کی گئی۔ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں لوگ حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مشورے کرتے رہے اور آپ کے پاس آتے جاتے رہے۔ جو صاحب الرائے شخص تخلیہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مشورہ کرتا وہ یہی رائے دیتا کہ خلافت حضرت عثمان کو ملنی چاہیئے آخرکار حضرت عبدالرحمن بن عوف بیعت لینے کے لیے بیٹھے اور حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگ حضرت عثمان سے بیعت کے سوا کسی اور کی بیعت پر راضی نہیں ہیں۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن عساکر)

عدل و انصاف

عدل و انصاف اور خوف خدا کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ تنبیہاً آپ نے اپنے ایک غلام کا کان مروڑ دیا تھا۔ اس سے فرمایا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو۔ تم بھی میرا کان مروڑ دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کے لیے آپ کا کان اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آپ نے فرمایا زور سے مروڑو۔ میں نے زور سے مروڑا تھا۔ دنیا میں قصاص کا ہو جانا آخرت کے قصاص سے بہتر ہے۔ (خلفائے راشدین)

حضرت عثمانؓ کے خصائل

آپ رضؓ نے فرمایا:

(۱) میں اسلام قبول کرنے والا چوتھا شخص ہوں۔

۲ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو میرے عقد میں دیا۔

۳ میں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہوا۔

۴ میں کبھی لہو لعب میں شریک نہیں ہوا۔

۵ میں نے کبھی کسی برائی اور بدی کی تمنا نہیں کی۔

۶ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں نے کبھی اپنا سیدھا ہاتھ اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔

۷ اسلام لانے کے بعد میں نے ہر جمعہ کو اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کیا۔ اگر اس وقت ممکن نہ ہوا تو بعد میں آزاد کیا۔

۸ عہد جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی چوری نہیں کی۔

۹ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قرآن شریف جمع کیا۔

(تاریخ الخلفاء)

مدت خلافت

بارہ سال گیارہ دن

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید ہوئے۔ جنت البقیع مدینہ منورہ آرام گاہ ہے

عہدیداران خلافت

کاتب: مروان بن الحکم

حاجب: حمران (جو حضرت عثمانؓ کے آزاد غلام تھے)

قاضی: زید بن ثابت انصاری — سائب بن یزید

خاتم: آمنت باللہ العظیم

اہل و عیال

— ازواج —

حضرت ام کلثوم بنت رسولؐ

— اولاد —

تعزیت

حلقہ ابوظہبی میں بہادر خاں کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ سب ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

- ازواج -	- اولاد -
حضرت رقیہ بنت رسول ﷺ	عبداللہ الاکبر
حضرت فاختہ بنت غزوان	عبداللہ الاصغر
حضرت ام عمرو بنت جندب	عمر۔ خالد۔ ابان، عمر، مریم، ولید اور سعید
حضرت ام البنین بنت عیینہ	عبدالملک، عتبہ
حضرت الملہ بنت شیبہ	عائشہ ام ابان، ام عمر اور دوسری صاحبزادیاں
حضرت نائلہ بنت الفرافصہ	مریم، عتبہ

عمرو بن عبداللہ الاکبر جن کی والدہ فاطمہ بنت الحسین ابن علی بن ابی طالب تھیں انہی سے اولاد چلی۔

شہادت

ایک غافقی آپ پر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشیر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمان رضی جھکا کر پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پہ جاری ہوگیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ سے نہ دیکھا گیا۔ وہ بے تابانہ بچانے کےلیے دوڑیں ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔ شہادت کے وقت عمر ۸۲ سال تھی۔

(تاریخ اسلام معین الدین بحوالہ ابن سعد)

خلافت

بیعت خلافت۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ مدینہ میں شور قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے۔ لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا۔ اسوقت اکابر صحابہؓ میں حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پہ سب کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہاجرینؓ وانصارؓ جن میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ جسے تم منتخب کرو گے میں بھی اسے قبول کرلوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہے اس لیے ہم کسی دوسرے کو منتخب کر ہی نہیں سکتے۔ حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلے میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے غرض مسلمانوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اور امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپؓ نے قبول فرمایا اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

(تاریخ اسلام معین الدین احمد ندوی بحوالہ طبری و ابن سعد)

اقوال زریں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حقیر سے حقیر پیشہ ہاتھ پھیلانے سے بدرجہا بہتر ہے۔

تعجب ہے اس پر جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے

زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔

دنیا جس کیلئے قید ہے قبر اس کے لیے آرام گاہ ہے۔

بعض اوقات جرم معاف کرنا مجرم کو زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے

خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔

حاجت مند عذر ہا کا تمہارے پاس آنا خدائے پاک کا انعام ہے مت رکھ امید کسی سے مگر اپنے رب سے اور مت ڈر کسی سے مگر اپنے گناہ سے۔

اپنا بوجھ خلقت میں سے کسی پر نہ رکھ خواہ کم ہو یا زیادہ۔

عقل مند کہتا ہے میں کچھ نہیں جانتا لیکن بیوقوف کہتا ہے میں سب کچھ جانتا ہوں۔

یکبارِ دگر

حافظ عبدالرزاق

حسبِ معمول اس سال بھی ایک کاروانِ شوق حرمین کی زیارت کیلئے گیا مگر یہ لوگ ہر سال کیوں جاتے ہیں کس چیز کی کشش انہیں یہاں آنے پہ مجبور کرتی ہے۔ کسی عارف کی زبان سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ؎

چہ حسن است آنکہ در یکدم رخت را صد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یک بار دگر بینم

(یعنی اس حسن کی کیا شان ہے اور کتنی کشش ہے کہ ایک لمحے میں رُخِ محبوب کو سو بار دیکھتا ہوں مگر یہ خواہش پھر بھی رہتی ہے کہ ایک بار اور دیکھ لوں)۔

مگر کیا بڑے بڑے پتھروں سے بنے ایک چوکور کمرے اور ایک سبز گنبد میں اتنی کشش ہے کہ ہر سال کشاں کشاں لے آتی ہے۔ ہاں واقعی اتنی کشش ہے۔ مگر لطف یہ کہ یہ کشش دو گونہ ہے۔ صوری بھی اور معنوی بھی۔ یہ ایک مستطیل کمرہ وہ ہے جس کی عظمت اور اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے نہیں بلکہ اعلان کرتے ہوئے خود خالقِ کائنات نے اپنی آخری کتاب میں فرمایا۔

بنی نوعِ انسان کے لیے یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ جو شہر مکہ میں بنایا گیا۔ جو بابرکت بھی ہے اور دنیا بھر کے لیے ہدایت کا مرکز بھی ہے۔ تو اتنی عظیم شے کو دیکھنے کے لیے ایک انسان کے دل میں خواہش کیوں نہ پیدا ہو۔ پھر جس شہر میں یہ عظیم گھر بنا ہوا ہے اس کے در و دیوار اس کی گلیوں اور راستے اس کے پہاڑ اور ریگزار تو ایک بڑی دل کش اور دل گداز داستان کے امین ہیں۔ یہاں سے ہدایت کا وہ چشمہ پھوٹا جس نے مشرق سے مغرب تک پوری انسانیت کو اپنے خالق سے آشنا ہی نہیں کر دیا بلکہ دلدادہ شیدا بنا دیا۔ اور اس کا آغاز اس وقت ہوا جب پورے کرۂ ارض پر ایک انسان بھی ایسا نہیں پایا جاتا تھا جسے اتنی بڑی خبر ہو کہ میرا کوئی خالق بھی ہے۔ اور انسانیت کو ہدایت آشنا اس نے کیا جس کا ثانی پوری مخلوق میں نہیں پایا جاتا اور جس کی آواز میں وہ تاثیر تھی جس نے انسانیت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر ثریا پہ پہنچا دیا۔ سچ کہا ایک عارف نے۔ ؎

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

حضرت عبداللہ مغربی ایک مرتبہ سخت بلائیں گرفتار تھے۔ ایک شب سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی تو اس وقت عرض کیا "یارسول اللہ" میں کیا پڑھوں؟ سخت بلائیں گرفتار ہوں۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پہلے دو رکعتیں پڑھو اور چاروں مسجدوں میں چالیس چالیس مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْن پڑھو۔ انشاء اللہ مصیبت رفع ہو جاتے گی۔

خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا۔

مگر دوسری طرف اسی شہر کی گلیاں اور ریگزار چشم تصور کے سامنے یہ منظر بھی لاتے ہیں کہ جنہوں نے کہا ہم اس کے ہوتے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ ان کو اس شہر کی گلیوں میں گھسیٹا گیا انکے ننگے جسم کو تپتی ہوئی ریت پہ چلچلاتی دھوپ میں پہروں لٹایا گیا۔ اور ان سے صرف یہ مطالبہ کیا گیا کہ تم اس کا نام مت لو جس کو تم اپنا خالق کہتے ہو۔ مگر ان کی زبان سے احد، احد کے بغیر اور کچھ نہ نکلا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پھر اس سبز گنبد میں وہ ہستی آرام فرما ہے جو ایک مہاجر کی حیثیت سے اس شہر میں آیا اور اس کے ساتھ بے در بے گھر اور بے زر رشیدائیوں کا ایک مختصر سا قافلہ بھی مہاجر بنکر یہاں آیا مگر اس نے ویران اور تباہ حال انسانیت کو اس انداز سے بسایا کہ ویرانوں کو گل و گلزار بنا دیا۔ اور جس نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر ان پڑھ بدوؤں اور تہذیب ناآشنا گنواروں کو وہ تعلیم دی کہ انہوں نے صرف بیس پچیس برس میں تمام پرانی تہذیبوں کو مٹا کر دنیا میں اپنی تہذیب کا سکہ بٹھا دیا اور جنہوں نے اس وقت کی دو سپر طاقتوں کے برتری کے جھوٹے زعم کو مٹا کر اس کی برتری کا سکہ بٹھا دیا جس نے ایک دن پوچھنا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور اس سوال کا جواب اس کے بغیر کیوں نہیں ہوگا کہ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار۔

یہ سب کشش کا سامان تو اس کے لیے ہے جس کے سینے میں ایمان کی چنگاری موجود ہے اور دماغ میں علم کی شمع روشن ہو اور سر کی آنکھوں سے اشیاء کی صورت دیکھ کر اسکی حقیقت تک پہنچنے کی تڑپ اور سلیقہ ہو۔

لیکن جن سینوں میں نور ایمان کے علاوہ نور عرفان کی دولت بھی منعم حقیقی نے رکھ دی ہو ان کے لیے اس کشش میں ایک اور پہلو کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ دو آتشہ بن جاتی ہے اور وہ کشاں کشاں اس پہلے گھر کو جنت نگاہ کی حیثیت کے ساتھ دیکھنے بھی آتے ہیں ان کے لیے مزید کشش خالق کائنات کی ان ذاتی تجلیات سے اپنے دلوں کو گرماتے کے لیے ہوتی ہے جو خصوصی تجلیات صرف اس گھر کے ساتھ مختص ہیں۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں۔

اور گنبد خضریٰ کی کشش صوری کے علاوہ ان اہل دل متوالوں کے لیے معنوی تجلی اور روحانی بھی ہوتی ہے۔

وہ خوب جانتے ہیں اور ان کا جانا صرف علمی پہلو سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا ایک پہلو ذوقی بھی ہے جسے وہ کیا سمجھیں جو ذوقیات کی دنیا سے آشنا ہی نہیں۔

ان کا دماغ اور عقل ہی نہیں ان کا دل جانتا ہے کہ جس کے فراق میں ایک خشک لکڑی یوں پھوٹ پھوٹ کے روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کا فراق ایک عقل و شعور نہیں دل درد آشنا رکھنے والے انسان کو چین سے بیٹھنے دیتا ہے اور بار بار اس آنے اور جانے لذت سے آشنا انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ؎

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

اس لیے اہل دل کا یہ قافلہ ہر سال یہاں آتا ہے اور غلاکر ے آتا ہے اور جاتے وقت ہر سال یہ کہتا رہے۔

مشرق گرچہ شد جامی ز لطفت
خدایا ایں کرم بار دگر کن،

عقیدت

دل میں بٹھا ہوا جو لفظ ترے نام کا ہے
یہ مقام آج مرے واسطے اکرام کا ہے

میں وہ کیفیتِ احساس بیاں کیسے کروں
ایسا پُر نور تصور ترے پیغام کا ہے

میں جو بھٹکا بھی تو لوٹا ہوں اسی در کی طرف
لُطف ایسا مرے صیاد ترے دام کا ہے

میرے رہبر نے مجھے تھام لیا ہے بڑھ کر
اب کسے فکر زمانے! ترے آلام کا ہے

آؤ رندو کہ نہ پاؤ گے کہیں ایسا نشہ
جو نشہ ذکرِ الٰہی کے حسیں جام کا ہے

کیوں الجھتی ہے تصوف کی حسین باتوں میں
کام کیا شہرِ جنوں میں عقلِ خام کا ہے

آؤ سب مل کے چلیں اہلِ نظر کی جانب
جہاں آغاز کا خدشہ ہے نہ انجام کا ہے

چھوڑیے سود تفکر کہ اویس اپنے لیئے
صورتِ شیخ مداوا غمِ ایام کا ہے

چھوڑ، اب اپنی کہانی نہ سُنا، بور نہ کر
دیکھ! یہ وقت ترے شیخ کے آرام کا ہے۔

اویس مصطفیٰ

ہم نشین کا اثر

اشفاق احمد ناصر

"ایک دن ایک دوست نے مجھے خوشبو دار مٹی دی میں نے اس مٹی سے پوچھا تو کستوری ہے یا عنبر کہ مجھے تیری خوشبو نے مست کر دیا ہے اس نے جواب دیا۔ ہوں تو میں ناچیز مٹی مگر ایک مدت پھول کے ساتھ رہی ہوں۔ ہم نشین کا کمال مجھ پر اثر انداز ہوا ہے، ورنہ میں وہی خاک کی خاک ہوں"۔

"انسان کا بدن خاک سے ہے اس کے اندر جو روح ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی ہے ہر روح نے یوم الست اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہے۔ روح کی ہم نشینی بدن پر اثر انداز ہوتی ہے اور اسے بھی سرمست بنا دیتی ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات کہا گیا۔ کیونکہ وہ اس بات کی وجہ سے اعلیٰ ہو جاتا ہے پھر اس کے دل کی طرح اس کا بدن حتیٰ کہ ایک ایک عضو اور ایک ایک بال اللہ کا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ہے ہی اللہ کا اور یہ صفات ایک مومن کی صفات ہیں۔ پھر وہ انسان صرف اللہ کا ہوتا ہے اور دنیا والے اُسے مجنوں اور دیوانہ کہتے ہیں لیکن اسے اپنے محبوب کے علاوہ کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

آئندہ کے پروگرام

- دورہ دوبئی، ابوظہبی : ۱۶ رمئی تا ۱۹ رمئی تک ——— قیام ۳ رات
- دورہ انگلستان : ۱۹ رمئی سے ۳۱ رمئی تک ——— قیام ۱۵ رات
- دورہ امریکہ و کینیڈا : یکم جون سے ۱۵ رجون تک ——— قیام ۱۵ رات
- واپسی دارالعرفان ۱۸ رجون کو متوقع ہے۔
- دورہ کوئٹہ : ۲ رجولائی سے ۵ رجولائی تک ——— قیام ۴ رات

سالانہ اجتماع

دارالعرفان منارہ

۲۰ رجولائی ۸۹ء سے ۲۶ راگست ۸۹ء

- ۱۹۸۹ء کے ہفت روزہ اجتماعات۔ دارالعرفان۔ منارہ

۱ ۱۷ رجون سے ۲۳ ر جون تک

۲ ۳ رنومبر سے ۱۰ رنومبر تک

۳ ۲۲ ردسمبر سے ۲۹ ردسمبر تک

نوٹ:۔ اجتماعات کے اختتام پر حاضری مرشد آباد ہو گی۔

- اجتماع لنگر مخدوم ۵ راکتوبر سے ۷ راکتوبر ۱۹۸۹ء

Phone : 546734
Res: 44891

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴
گھر: ۴۴۸۹۱۶

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت
کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳، سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

تصوف

- تعارف — 5/- روپے
- دلائل السلوک (اردو) — 60/- روپے
- دلائل السلوک (انگریزی) — 100/- روپے
- اسرار الحرمین — 15/- روپے
- عقائد و کمالات علماء دیوبند — 10/- روپے
- علم و عرفان — 5/- روپے

حیات بعد الموت:

- سیف اویسیہ — 10/- روپے
- حیاتِ برزخیہ — 30/- روپے
- حیاتِ انبیاء — 15/- روپے
- حیاتُ النبیؐ — 15/- روپے

شیعیت۔ تحقیقی مطالعہ:

- الدین الخالص — 30/- روپے
- ایمان بالقرآن — 25/- روپے
- تحذیر المسلمین — 40/- روپے
- تفسیر آیاتِ اربعہ — 10/- روپے
- تحقیق حلال و حرام — 15/- روپے
- حرمتِ ماتم — 10/- روپے
- ایجادِ مذہب شیعہ — 10/- روپے
- شکستِ اعدائے حسین رض — 10/- روپے
- داماد علی رض — 10/- روپے
- بناتِ رسولؐ — 10/- روپے
- الجمال والکمال — 10/- روپے
- عقیدۂ امامت اور اس کی حقیقت — 5/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

- اسرار التنزیل حصہ اول — 60/- روپے
- مجلد حصہ دوم — 100/- روپے
- دیارِ حبیبؐ میں چند روز — 10/- روپے
- ارشاد السالکین (اوّل) — 15/- روپے
- ارشاد السالکین (دوم) — 5/- روپے
- ارشاد السالکین (انگریزی) — 15/- روپے
- امیر معاویہ رض — 10/- روپے
- راہی کرب و بلا — 5/- روپے
- عصرِ حاضر کا امام — 5/- روپے
- شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد — 5/- روپے
- حیاتِ طیبہ (انگریزی) — 10/- روپے
- نور و بشر کی حقیقت — 5/- روپے

پروفیسر حافظ عبد الرزّاق ایم۔ اے اسلامیات و عربی

- ذکر اللہ (عربی) — 5/- روپے
- لغزشیں — 10/- روپے
- اطمینانِ قلب — 15/- روپے
- تصوف و تعمیر سیرت — 15/- روپے
- کس لیے آتے تھے؟ — 10/- روپے
- خدایا ایں کرم بار دگر کن — 10/- روپے
- بزمِ انجم — 20/- روپے
- دین و دانش — 10/- روپے
- کونوا عباد اللہ — 5/- روپے
- انوار التنزیل — 10/- روپے
- مغالطے — 15/- روپے

اویسیہ کتب خانہ

سول ایجنٹ ◎ الوہاب مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور